

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا مین

ماہنامہ الامداد
پاکستان
مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی
مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

جلد ۱۹ ربيع الاول ۱۴۴۰ھ دسمبر ۲۰۱۸ء شماره ۱۲

دواء العیوب المعروف به شام خورشید
مراقبہ موت کی ضرورت

از افادات

حکیم الامتہ مجدد الملت حضرت مولانا محمد شرف علی قاسمی
عنوانا و حاشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

۴۰۰ روپے زر سالانہ =



قیمت فی پرچہ = ۴۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریلوے گیٹ روڈ بلال سٹریٹ لاہور
مقام اشاعت
جامعہ اسلامیہ علامہ اقبال لاہور پاکستان

35422213
35433049



ماہنامہ الامداد لاہور

جامعہ اسلامیہ علامہ اقبال لاہور

پتہ دفتر

۲۹۱- کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

دواء العیوب المعروف بہ شام خورشید (مراقبہ موت کی ضرورت)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	خطبہ ماثورہ.....	۹
۲.....	اعادہ عمر سے امید اصلاح.....	۹
۳.....	نذیر کی تفسیر.....	۱۰
۴.....	ذرا سی ملامت بھی خوف کی چیز ہے.....	۱۰
۵.....	ہر شخص غفلت کا شکار ہے.....	۱۱
۶.....	اصلاح کے لیے ایک مراقبہ.....	۱۲
۷.....	ندامت ہونا غیر اختیاری ہے.....	۱۳
۸.....	انسان کی حیات اور بقاء قابلِ تعجب ہے.....	۱۴
۹.....	کھانا کھانے میں دوا احتمال.....	۱۶
۱۰.....	حق سبحانہ و تعالیٰ کی بے انتہاء شفقت.....	۱۷
۱۱.....	بندہ کا فعل صرف ارادہ ہے.....	۱۸
۱۲.....	عادت مستمرہ کے اختیاری نہ ہونے کی مثال.....	۱۸
۱۳.....	قدرت خداوندی.....	۲۰
۱۴.....	مدت عمر قلیل ہے.....	۲۱
۱۵.....	چھوٹی عمر بھی تذکر کے لیے کافی ہے.....	۲۳

۱۶.....	جوانی اور بڑھاپے میں فرق.....	۲۴
۱۷.....	فنا کے وقوع میں جوان.....	۲۵
۱۸.....	عقل کی بات.....	۲۹
۱۹.....	ازالہ غفلت کی تدبیر.....	۲۹
۲۰.....	نفس کو عمل پر آمادہ کرنے کا ایک حیلہ.....	۳۱
۲۱.....	قرآن وحدیث کو غور سے دیکھنے کی ضرورت.....	۳۲
۲۲.....	وقت ٹالنے کی عادت.....	۳۳
۲۳.....	تمام غلطی کی جڑ.....	۳۳
۲۴.....	تذکرہ موت پر ایک شبہ کا جواب.....	۳۴
۲۵.....	امور دنیا کی اقسام واحکام.....	۳۴
۲۶.....	شریعت بہت وسیع قانون ہے.....	۳۵
۲۷.....	فضولیات ومنوعات کی بنا غفلت ہے.....	۳۶
۲۸.....	ہمارے، بعض آریوں سے بدتر حالات.....	۳۷
۲۹.....	تارک نماز میں ایک فعل کفار کا موجود ہے.....	۳۸
۳۰.....	جنازہ کی موجودگی میں غفلت.....	۳۹
۳۱.....	جنازہ سے دُنیوی ودینی حصول عبرت کی ضرورت.....	۴۰
۳۲.....	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبر پر رونے کا سبب.....	۴۰
۳۳.....	قلب کے بے حس ہونے کا سبب.....	۴۱
۳۴.....	عورتوں کا کوسنا بے صبری کی دلیل ہے.....	۴۲
۳۵.....	ایک بڑی بی بی.....	۴۳
۳۶.....	جنید بغدادی رحمہ اللہ کا چور کے پاؤں چومنے کا سبب.....	۴۴

.....۵۷	گہرے تعلق کی ضرورت.....	۶۱
.....۵۸	دنیا کے کاموں میں اختصار کی ضرورت.....	۶۲
.....۵۹	اختصار امیر اور غریب کا الگ الگ ہے.....	۶۲
.....۶۰	موت ہاؤم اللذات ہے.....	۶۲
.....۶۱	خلاصہ وعظ.....	۶۳
.....۶۲	تذکرہ موت پر بزرگوں کے کلمات.....	۶۵
.....۶۳	اخبار الجامعہ.....	۶۶



وعظ

دواء العیوب المعروف بہ شام خورشید

(مراقبہ موت کی ضرورت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے
وعظ ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ بمقام صدر مقام حاجی وجیہ الدین صاحب میرٹھ حضرت والا
نے ارشاد فرمایا جس کو حضرت مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوریؒ نے قلم بند فرمایا۔
سامعین کی تعداد بالقصد مجمع زنانہ مردانہ تقریباً ۵۰ تھی۔ موضوع تھا کہ ہم سب غفلت کا
شکار ہیں جس کے سبب گناہوں میں مبتلاء ہیں۔ اصلاح کے لیے ایک مراقبہ کی تعلیم
فرمائی وہ یہ کہ عمر کے جلد جلد گزرنے اور ختم کو ہر وقت پیش نظر رکھے اور ہر وقت کو آخری
وقت سمجھے۔ اس مراقبہ سے غفلت دور ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو مضامین وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۱/۷/۲۰۱۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خطبہ ماثورہ

الحمد لله نحمدہ ونستعينہ ونستغفرہ ونؤمن به ونتوكل
عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده
الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله
وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله
صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم اما بعد:

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

أَوَلَمْ نُنْعِمْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ (۱)

اعادہ عمر سے امید اصلاح

یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے۔ مجھے صرف اتنے ہی جزو کو بیان کرنا ہے۔ اسی
واسطے پوری آیت نہیں پڑھی۔ اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے ایک خطاب ہے جو
قیامت میں ان لوگوں سے ہوگا جو تمنا کریں گے کہ اگر ہم کو دنیا میں دوبارہ بھیج دیا
جاوے تو اب کے ہم ایسے عمل نہ کریں گے جیسے اس مرتبہ کیے، جواب ملے گا اَوَلَمْ
نُنْعِمْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ کیا ہم نے اتنی عمر
تمہیں نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لے۔

چنانچہ جن لوگوں نے دنیا میں ہدایت پائی ہے ان کو بھی اتنی ہی عمر ملی تھی۔ ثابت ہوا
کہ عمر کے اعادہ سے یہ اُمید رکھنا کہ اعمال دوسرے ہو سکیں گے، غلط ہے۔ جس نے اعمال
دوسرے کر لیے تھے اس نے اسی ایک عمر میں کر لیے اور تم نے غفلت میں عمر کھودی۔ پس جو
سبب معصیت کا اس عمر میں موجود تھا اور جو مانع ہوا (۲) اعمال صالحہ اور ہدایت سے یعنی

(۱) ”کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہ دی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرے اور تمہارے پاس

ڈرانے والا بھی آچکا تھا“ سورۃ الفاطر: ۷۷ (۲) رکاوٹ۔

غفلت وہ اگر دوبارہ بھی قائم رہا تو جتنی بھی عمریں ملتی جاویں گی اس سبب کا اثر بھی ساتھ ساتھ رہے گا یعنی ہدایت نہ ہوگی۔ اس لیے یہ درخواست مسموع نہ ہوگی (۱)۔ اس کے بعد ارشاد ہوا وَجَاءَهُمُ النَّذِيرُ۔ یعنی ڈرنے والا بھی تمہارے پاس آچکا جو تم خواب غفلت سے بیدار کرنے والا تھا۔

نذیر کی تفسیر

نذیر کی تفسیر میں گفتگو ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ نذیر سے مراد پیغمبر ﷺ اور نائبین پیغمبر ﷺ ہیں جن سے تبلیغ احکام الہی ہوتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے جو ایک حدیث کے موافق ہے۔ گویا وہ حدیث اس کی تفسیر کرتی ہے کہ نذیر بڑھاپا ہے خواہ اس حدیث کے یہ معنی ہوں کہ آیت میں نذیر سے مراد یہی ہے خواہ حدیث میں تمثیلاً (۲) بڑھاپے کو بھی نذیر فرما دیا گیا۔ بہر حال تمثیلاً ہو یا تعیناً، یہ ضرور ثابت ہوا کہ بڑھاپا بھی ڈرانے والا ہے۔ تو آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جوانی تو کھوئی ہی تھی، بڑھاپے میں بھی تمہاری غفلت نہ گئی اور آنکھ نہ کھلی کہ کچھ سامان آخرت کر لیتے۔ یہ خطاب عبارت النص (۳) سے خواہ کفار ہی کے لیے ہو، مگر بدلالة النص خواہ بالقیاس باختلاف مراتب تمام ان اشخاص کے لیے بھی ہو سکتا ہے جو بناء خطاب یعنی غفلت میں شریک ہیں۔

ذرا سی ملامت بھی خوف کی چیز ہے

یہ مانا کہ اتنا فرق ضرور ہوگا کہ اعمال صالحہ میں کوتاہی کرنے والے کی غفلت مع سلامتی ایمان کے اس درجہ مضرت ناسخ کا موجب نہ ہوگی جتنی کافر کی غفلت ہوگی (۴)۔ اس کے لیے خلود فی النار (۵) نہ ہوگا لیکن ملامت تو ذرا سی بھی بہت ہے اور ملامت تو بڑی چیز ہے۔ لوگ تو نیک نامی نہ ہونے سے متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی نیک نامی اور نام آوری کے لیے کتنی کتنی کوششیں کرتے ہیں۔ ایک خان بہادر ہی کے خطاب کے لیے ہزاروں روپیہ خرچ (۱) یہ درخواست سنی نہیں جائے گی (۲) بطور مثال (۳) نص قرآنی کی عبارت اگرچہ کفار کے لیے ہے لیکن دلالت اس عبارت سے مخاطب تمام غافلین ہیں (۴) مسلمانوں کی غفلت کے نتائج اتنے بڑے نہیں جتنے کفار کی غفلت کے ہیں (۵) ہمیشہ آگ میں نہیں رہے گا۔

کرتے ہیں، سفارش اٹھاتے ہیں۔ برسوں کارگزاریاں دکھاتے ہیں، حالانکہ خطاب حاصل ہونا کوئی ضرورت کی چیز نہیں اور اس کے عکس یعنی بدنامی سے بچنے کے لیے تو کس درجہ اہتمام کرتے ہیں، حتیٰ کہ بعض دفعہ بدنامی پر مرجانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ بڑے بڑے عہدہ دار تمام عمر خائف و ہراسان رہتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آبرو سے مدت ملازمت گزار دے، کوئی دھبہ نہ لگ جاوے، جب خیریت سے پنشن مل جاوے تب اطمینان ہوتا ہے۔ یہ ملامت ہی کا خوف تو ہے، حالانکہ ہر بدنامی میں جیل خانہ یا کسی جسمانی سزا کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا، حالانکہ دنیا کی ملامت چیز ہی کیا ہے۔ چار دن سے زیادہ رہنے والی چیز نہیں۔ جب مر گئے تو بعد چندے کوئی یہ بھی جاننے والا نہیں رہتا کہ کون تھا اور کہاں گیا، لاکھوں ہوئے اور گزر گئے، نام تک بھی جاننے والا کوئی نہیں رہتا۔ نیک نامی اور بدنامی کیسی؟ مگر پھر بھی لوگ اس ذرا سی بدنامی سے بچنے کے لیے کتنی کوششیں کرتے ہیں۔ پس حقیقت یہ ہے کہ ملامت ایسی ہی چیز ہے کہ تھوڑی ہو یا بہت اور موجب سزائے جسمانی ہو یا نہ ہو اس سے ڈرنا اور بچنا ہی چاہئے۔ تو مومن کو کافر کی سی ملامت نہ سہی مگر ادنیٰ سی ملامت بھی ملامت ہی ہے اور آخرت کا تو اہون بھی خدا بچائے اشد ہی ہے (۱)۔ ایک وقت کی نماز بھی اگر قضا ہو گئی ہے تو ہزاروں برس دوزخ میں رہنا ہوگا۔ تین پیسہ قرض کے رہ گئے ہیں تو سات سو مقبول نمازیں چھین لی جاویں گی۔ غرض مومن کی ملامت خواہ کافر کی ملامت کے پاسنگ بھی نہ ہو مگر بڑے خوف کی چیز ہے۔

ہر شخص غفلت کا شکار ہے

تو اس بنا پر خطاب اولم نعمر کم علی قدر مراتب ہر اس شخص کے لیے ہے جو مرض غفلت میں مبتلا ہے۔ یہاں کفار سے تو مجھے بحث کرنا نہیں، میرے مخاطب اس وقت مؤمنین ہیں اور جو جس درجہ غفلت میں مبتلا ہے اسی قدر خطاب بھی اس کی طرف متوجہ ہے جو عقائد کی غلطی میں مبتلا ہے۔ اس سے اس کے مرتبہ کے موافق اور جو اعمال کی غلطی میں مبتلا ہے اس سے اس کے مرتبہ کے موافق علیٰ ہذا معاشرت (۲)، معاملات، اخلاق

(۱) آخرت کا تو ہلکا عذاب بھی سخت ہی ہے (۲) اسی طرح۔

جس قسم کی بھی کوئی غلطی کر رہا ہے اسی قدر خطاب میں شدت و خفیت ہوگی (۱)۔ ہم لوگ جس قدر غلطیوں میں مبتلا ہیں بیان کی احتیاج نہیں۔ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کسی غلطی یا کوتاہی میں مبتلا نہیں ہوں۔ خود حدیث میں آچکا ہے۔ کلکم خطاؤن (۲)

یعنی تم سب کے سب خطاوار ہو، تو پھر کس کا منہ ہے کہ خطا سے براءت کا مدعی ہو تو یہ خطاب بھی سب ہی کی طرف متوجہ ہوگا اور مؤمنین کے سامنے اس قیامت کے واقعہ کو نقل کرنے سے حق تعالیٰ کا مقصود بھی یہ ہے کہ مؤمنین چونک جاویں اور کفار کے اس واقعہ کو سن کر نصیحت پکڑ لیں اور یہ سناں تمہیں قانون کا اور سلطنت کے جبروت کا علم نہ تھا کہ یہ فعل جرم ہے اور سلطنت کے قبضہ سے تم بھاگ نہیں سکتے ہو جو اس کا ارتکاب کیا، اب سزائے موت چکھو۔ اس جملہ سے اس مجرم کی نصیحت مقصود نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا تو اب خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کی نصیحت سے کیا نفع، بلکہ دوسروں کو متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ جرم ایسی چیز ہے تاکہ وہ اس سے بچے اور یہ عامہ رعایا کے لیے باعث رحمت ہے، کیونکہ آئندہ کے لیے انسداد جرائم کا موجب ہے (۳)۔ حق تعالیٰ نے وہ خطاب جو کفار سے قیامت میں ہوگا قیامت سے پہلے ہی مؤمنین کو سنایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کر لیں اور ان کی طرح عذاب و ملامت میں نہ پڑیں۔ تو یہ بڑی رحمت ہوئی مؤمنین کے لیے بشرطیکہ اس سے کام لیں۔

اصلاح کے لیے ایک مراقبہ

اس میں حق تعالیٰ نے اصلاح کے لیے ایک مراقبہ کی تعلیم فرمادی، وہ یہ ہے کہ عمر کے جلد جلد گزرنے اور ختم ہونے کو ہر وقت پیش نظر رکھے اور ہر وقت کو آخری وقت سمجھے۔ یہ ہے خلاصہ تمام میری تقریر کا اور اجمال ساری تفصیل کا۔ اب سمجھے بڑھا پانذیر یعنی ڈرانے والا کیونکر ہے۔ یہ نذیر اس طرح ہے کہ سفید بالوں سے موت کی خبر آتی ہے، کیونکہ عمر کے حصے کبھی کبھی تین ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کا لفظ اس واسطے کہا ہے کہ دواماً تین نہیں ہوتے۔ خصوصاً اس زمانہ میں کہ جوان موتیں بکثرت ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب جوان موت سے بھی ہم لوگوں کو تنبیہ نہیں ہوتا۔ ورنہ پہلے کہیں جوان موت ہو جاتی تھی

(۱) مخاطبت میں کمی زیادتی ہوگی (۲) سنن الترمذی: ۱۳۹۹ (۳) جرائم کی روک تھام کا باعث ہے۔

تو تمام بستی میں غل مچ جاتا تھا (۱) اور کم وبیش سب متاثر ہوتے تھے اور اب عادت سی ہو گئی، تاہم عرفاً جو حصے مانے جاتے ہیں تین ہیں۔ ایک تو لڑکپن (۲) کا اور ایک جوانی کا اور ایک بڑھاپے کا۔ پہلے دو حصوں میں یعنی لڑکپن اور جوانی میں تو کسی درجہ میں توقع ہوتی ہے کہ بہت عمر پڑی ہے۔

ندامت ہونا غیر اختیاری ہے

توبہ و طاعات کے لیے ابھی کیا جلدی ہے، اور آدمی لیت و حل (۳) کرتا رہتا ہے اس امید پر کہ آئندہ توبہ کر لوں گا، گو یہ توقع مہمل ہے کیونکہ عمر کا طویل ہونا اختیاری بات نہیں صرف ایک ضعیف سا اہتمام ہے کہ عمر ممتد ہوگی (۴) جب اپنے قبضہ کی بات نہیں اور دوسرے کے قبضہ کی بات ہے تو اس پر مہالک (۵) کی بناء کرنا یعنی گناہ کرنا مستحق جہنم بننے کو گوارا کر لینا، صرف اس خیالی بات پر کہ آئندہ اس کا تدارک کر لوں گا کس قدر بے عقلی کی بات ہے۔ گویا پھانسی کو گلے میں ڈال لینا ہے اس خیال پر کہ میرے زور کرنے سے رسی ٹوٹ جائے گی۔ مزید برآں یہ ہے کہ دنیا میں یہ بھی تو نہیں ہے کہ اوسط کے حساب سے زیادہ آدمی بڑھاپے کی عمر کو پہنچتے ہوں بلکہ بڑھاپے کو نہ پہنچنا کثیر الوقوع ہے (۶) تو یہ شاذ و نادر کے حکم میں ہوا اور مثل مشہور ہے النادر کا لمعدوم (۷) امر نادر پر کسی امر کی بنا نہیں کی جایا کرتی تو جب عمر کا امتداد بڑھاپے تک اپنے اختیار سے خارج اور محتمل محض بہر حال تجربہ اس کے خلاف کا ثبوت دیتا ہے یعنی اوسط بڑھاپے تک اکثر نہیں پہنچتا تو یہ توقع کس قدر مہمل ہوئی، عاقل کو تو اس میں قدرت خدا نظر آتی ہے کہ قدرت نے کیسا آفتاب پر پردہ ڈالا ہے کہ جو بات دلیل سے محض موهوم اور تجربہ سے اس کا عکس متحقق ہو اس کے وجود پر مہالک (۸) کی بنا کی جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر عادت سے بھی اس کا وقوع ثابت ہو جائے کہ بڑھاپا بھی ایک لازمی حصہ عمر کا ہے اور اکثر انسان بڑھاپے کی عمر یا کر ہی مرتے ہوں تب بھی اس پر کسی (۱) شور مچ جاتا تھا (۲) بچپن (۳) نال مثل (۴) عمر لمبی ہوگی (۵) ہلاک کرنے والی چیزوں (۶) اکثر لوگ بڑھاپے کی عمر تک نہیں پہنچتے (۷) جو چیز نادر ہو گویا وہ ہے ہی نہیں (۸) ہلاک کرنے والے گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

کام کی بنا کرنا عجیب بات ہے کیونکہ یہ خواہ وقوعاً اکثر ہو مگر اسباب طبعیہ سے یہ مطعون نہیں ہے صرف ضعیف احتمال کے درجہ میں ہے تو یہ توقع محض نادانی ہوئی۔

انسان کی حیات اور بقا قابل تعجب ہے

بیان اس کا یہ ہے کہ انسان کے بدن کی ترکیب اضداد سے (۱) ہوئی ہے یعنی اربع عناصر (۲) سے اور یہ سب آگ اور پانی اور ہوا اور مٹی آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور بالطبع ایک دوسرے سے بعد (۳) اور علیحدگی کو چاہتے ہیں۔ دیکھئے پانی میں مٹی ڈال دیجئے، نیچے بیٹھ جائے گی یہ نہ ہوگا کہ مل جاوے ہوا میں پانی گراؤ، ہوا اوپر اور پانی نیچے ہو جاوے گا اور آگ تو سب سے اوپر ہونا چاہتی ہے۔ قدرت خدا ہے کہ بدن میں چاروں چیزیں یکجا موجود ہیں (۴) اور تعجب کی بات ہے کہ اضداد سے ایک چیز مرکب ہے اس کو قسماً قسماً کہتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ ایسے مرکب کا اصل اقتضاء ہلاک اور تحلیل ترکیب ہی ہے۔ (۵) تعجب اگر ہو سکتا ہے تو اس کے بقا سے ہو سکتا ہے نہ کہ فنا سے، فنا تو ہر وقت اس کے سر پر کھڑی ہے تو اگر عمر کا بڑھاپے تک امتداد اکثری درجہ تک بھی مان لیا جاوے تب بھی اس وجہ سے کہ یہ امتداد خلاف قاعدہ ہے اور خطرہ کی حالت میں ہے اس لیے اس قابل نہیں کہ اس پر کسی امر کی بناء کی جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بہت سے علاج عوام میں ایسے رائج ہیں کہ ان سے دن رات کام لیا جاتا ہے اور مفید ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ قواعد طبعی کے خلاف ہیں تو اس وجہ سے کہ ایک کثیر تعداد انسانوں کی اس کو استعمال کرتی اور فائدہ اٹھاتی ہے۔ عامی آدمی اس پر اعتماد کر لیتا ہے لیکن جب وہ علاج اہل عقل اور ماہرین فن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے وہ اس کو رد کر دیتے ہیں اور کبھی جرأت اس کے استعمال کی نہیں کرتے، وجہ کیا؟ صرف یہ کہ وہ قواعد کے خلاف ہے تو باوجودیکہ تجربہ کی شہادت کے، محض مخالف قواعد کی وجہ سے اس کا نافع ہونا (۶) درجہ

(۱) متضاد چیزوں سے (۲) چار عناصر (۳) طبعی طور پر ایک دوسرے سے دور اور علیحدہ رہنا چاہتے ہیں (۴) اکٹھی (۵) متضاد اشیاء سے جو چیز مرکب ہو اس کا مقتضی اس چیز کا ہلاک ہونا ہے، اس قسم کی اشیاء کا جمع ہونا ہی محل تعجب ہے (۶) اس کے فائدہ مند ہونے کا گمان باقی نہیں رہا۔

ظن سے گر گیا۔ ایسے ہی اگر یہ بات ثابت ہو جاوے کہ بڑھاپا بھی باعتبار عادت (۱) کے وقوعاً اکثر ہی ہے تب بھی قواعد پر نظر کرنے سے ظنی نہ رہے گا بلکہ صرف مشکوک بلکہ موبہوم رہ جاوے گا (۲) اور اس پر بھروسہ کر لینا اور اعمال اُخروی کو اس پر محمول کرنا عقل کا کام نہ ہوگا یہ گفتگو تو محض ترکیب جسمانی کے اعتبار سے ہے کہ تعجب ہے کہ اس کا وجود ہی کیونکر ہوا جبکہ تمام اجزاء اس کے باہم متنافر ہیں (۳) اور جب اس کی بقا کی طرف نظر ڈالیں تو تعجب در تعجب ہوتا ہے۔ مان لینا کہ ایک دفعہ آپ کا وجود خواہ کس طرح سے بھی ہو موجود ہو گیا لیکن تعجب اس کے بقا میں ہے کہ جس کی ایک وجہ تو ترکیب من الاضداد ہے (۴) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان دونوں وقت بدن کے باقی رکھنے کے لیے جو کام کرتا ہے وہ سب بقا (۵) کے خلاف ہیں۔ مثلاً کھانا ہی کھاتا ہے تو ذرا اس میں غور کر کے دیکھئے عادت ہو جانے سے ذہول (۶) ہو گیا ہے ورنہ کھانا کھانے کے جتنے اجزاء ہیں سب درحقیقت بقا کے سامان نہیں فنا (۷) کے سامان ہیں کیونکہ کھانا کھانے کی حقیقت یہ ہے کہ غذا کو تھوڑا تھوڑا منہ میں رکھے اور پیٹ میں جانے دے، اس کے لیے سب سے اول اس کی ضرورت ہے کہ لقمہ گلے سے اتر جائے اور سب سے پہلا بھی فعل غیر اختیاری ہے کیونکہ ان حضرات کو یہ بھی خبر نہیں کہ لقمہ گلے سے کیسے اتر جاتا ہے۔ حلق میں دوسوراخ ہیں۔ ایک مجرائے نفس یعنی سانس کی نالی اور ایک مجرائے طعام یعنی کھانا پانی اترنے کا راستہ ہمیں یہ بھی خبر نہیں کہ کھانا کیونکر اترے، کس طرف کو گیا؟ مگر سانس برابر اپنے راستہ سے آتا ہے اور کھانا پانی اپنے راستہ سے جاتا ہے۔ کھانے والا تو اپنے ارادہ سے لقمہ کو نیچے لے جاتا ہے اور یہ فضل خداوندی ہے کہ وہ مجرائے نفس (۸) میں نہیں جاتا، بالاضطرار (۹) اپنے مجرا کو چلا جاتا ہے۔ انسان اپنے ہاتھوں تو مرنے کا سامان کرتا ہے کیونکہ اس نے اپنے ارادہ سے حلق کی طرف سے نیچے کو لقمہ سرکا دیا۔ اب

- (۱) یہ ثابت بھی ہو جائے کہ عادۃً لوگ بوڑھے ہو کر ہی مرتے ہیں (۲) قواعد کی بنیاد پر پھر بھی صرف موبہوم ہوگا (۳) جبکہ جسم کے سارے اجزاء ایک دوسرے کے خلاف ہیں (۴) متضاد چیزوں کا جمع ہونا (۵) زندگی کے خلاف ہیں (۶) اس طرف دھیان نہیں جاتا (۷) زندگی بڑھانے کے نہیں بلکہ ختم کرنے کے اسباب ہیں (۸) سانس کی نالی (۹) خود بخود اپنے راستہ پر جاتا ہے۔

یہ بات کہ لقمہ سانس کے مجرا کو نہ جاوے (۱) اس میں اس کے فعل کو کچھ بھی دخل نہیں۔ اگر ادھر کو چلا جاوے تو کچھ بعید نہیں، تعجب کیا ہے اور ادھر کو چلا جانا موت ہے۔ حق یہ ہے کہ اگر کرم خداوندی نہ ہو تو ایک لقمہ بھی پیٹ میں نہیں جاسکتا بلکہ مارنے کے لیے بہت کافی ہے۔

کھانا کھانے میں دو احتمال

غرض کھانا کھانے میں دونوں احتمال برابر ہیں یا تو ہلاکت کا سامان ہے یا بقاء (۲) حیات کا اور محتمل الضرر (۳) کام کا اختیار کرنا ہلاکت کا اختیار کرنا کہلاتا ہے۔ دیکھو ڈاکو ڈاکہ ڈالتے ہیں اس میں دونوں احتمال ہوتے ہیں کہ یا تو کامیابی رہی اور اپنی مرضی کے موافق مال ہاتھ آیا اور یا پکڑے گئے تو مارے گئے، تو دیکھ لیجئے کہ کوئی عقلمند آدمی ایسے فعل کو اچھا نہیں کہتا بلکہ جب ڈاکو پکڑا جاتا ہے تو سرزنش کرتے ہیں (۴) کہ اپنے ہاتھوں میں برباد ہوا حالانکہ اس نے اپنی بربادی کبھی نہیں چاہی صرف ایک فعل محتمل الضرر (۵) کیا ہے جب محتمل الضرر (۶) کا کرنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے اور کھانا کھانے میں بھی ہلاکت کا احتمال ہے تو ثابت ہوا کہ انسان تو دونوں وقت اپنی ہلاکت کا سامان کرتا ہے لیکن حق تعالیٰ اپنی عنایت سے اس کو بقا کا سامان کر دیتے ہیں۔ حیرت ہے کہ جو شخص روزانہ دو دفعہ موت کے منہ میں خود جاتا ہو وہ بڑھاپے کا خواب دیکھے، اگر کوئی کہے کہ لقمہ اُتارنا اور نگلنا تو ہمارے اختیار میں ہے، اضطرابی ہونا کیا معنی تو اس کی تکذیب (۷) اس طرح کی جائے گی کہ صدور بالا اختیار ہمیشہ مسبوق بالعلم ہوتا ہے یعنی جب ہم کسی فعل کو اختیار کریں تو اس کے صدور کے قبل لازم ہے کہ اس کا اور اس کے ذرائع کا اول علم بھی ہو مثلاً ہم کہیں کہ ہم بازار گئے تھے تو بازار جانا اختیاری جب کہا جاوے گا کہ ہم کو بازار کے راستہ اور بازار کا علم پہلے سے ہے اور اگر کوئی ہم کو اٹھا کر ایسے بازار میں پھرالایا جس کو ہم نے کبھی دیکھا بھی نہیں تو اس کو اختیاری فعل نہ کہیں گے بلکہ اضطرابی کہیں گے اور (۱) سانس کی نالی میں نہ جائے (۲) یا موت کا سامان ہے یا زندگی کا (۳) جس کام میں ہلاکت کا احتمال ہو اس کو اختیار کرنا ہلاکت کو اختیار کرنا ہے (۴) خمیہ کرتے ہیں (۵) ایسا فعل کیا جس میں نقصان کا احتمال تھا (۶) جس کام میں نقصان کا اندیشہ ہو اس کو اختیار کرنا ہلاکت کو اختیار کرنا ہے (۷) یہ بات غلط ہے۔

یہ نہ کہیں گے کہ ہم بازار گئے تھے بلکہ یوں کہیں گے کہ فلانا ہم کو لے گیا تھا۔

حق سبحانہ و تعالیٰ کی بے انتہاء شفقت

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر غذا کو پیٹ میں پہنچالینا امر اختیاری ہے تو مدعی یہی بتادے کہ وہ سوراخ جس میں سے ہو کر کھانا اترتا ہے کون سا ہے۔ بجز علم طب جاننے والے کے کوئی بھی نہیں بتا سکتا اور طبیب کہتے ہیں والعبرة (۱) لاکثر (۱) مسلم قاعدہ ہے تو جبکہ مجرائے طعام کا ہم کو علم بھی ہے کہ مجرائے طعام (۲) کون سا ہے ان کے قبضہ میں بھی یہ بات نہیں کہ کھانا دوسرے مجرا میں نہ جانے پاوے۔ غرض غذا کو نگلنا قصد و اختیار سے ہرگز نہیں بلکہ اضطراب محض (۳)، پس انسان اپنے اختیار سے ایسا کام کرتا ہے جس میں اہتمام ہلاک موجود ہے یہ تو اپنے ہاتھوں دن میں دو وقت دو نالی بندوق سے اپنے اوپر فائر کرتا ہے مگر حق تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس کو اس سے بچا لیتے ہیں ورنہ فی نفسہ یہ طریقہ ایسا خطرناک ہے کہ اگر پیٹ میں غذا پہنچانے کی کوئی اور ترکیب بھی عاۃ ہوتی اور اس کے بعد امتحان کے لیے کسی خاص ایک انسان میں یہ طریقہ بتلایا جاتا کہ دیکھو یہ منہ ہے اور اس کے منتہا پر دوسوراخ ہیں ایک سوراخ ہوا کی آمد و رفت کا ہے اور دوسرا کھانے کے اترنے کا اور اس دوسرے سوراخ میں کھانے کا اتر جانا ایسا خطرناک ہے کہ فوراً موت ہے پھر اس کے بعد اس سے نگلنے کی فرمائش کی جاتی اور اس کا اعلان بھی ہو جاتا تو باللہ العظیم (۴) یہ ایسا عجیب واقعہ ہوتا کہ دور دور سے لوگ دیکھنے کو اور تماشہ کو جمع ہوتے اور بالیقین کہا جاتا ہے کہ جس انسان کے لیے یہ صورت تجویز ہوتی اور جس وقت اس سے کہا جاتا کہ منہ میں لقمہ رکھ کر پیچھے کو سر کاؤ (۵) اور اس کو یقین دلایا جاتا کہ لقمہ پہلے سوراخ کے مجرا (۶) پر صرف گزر جائے گا دوسرے سوراخ میں ہرگز نہ جاوے گا تو اس کا اطمینان کرتے، اس مارے خوف سے وہ حالت ہوتی جیسے ایک شخص سے کہیں کہ تختہ پر کھڑا ہو کر پھانسی گلے میں ڈال لے اور یہ اطمینان رکھ کہ پھانسی گلے کو دبائے گی نہیں تو وہ کانپے گا اور واللہ باللہ اپنے اختیار سے تو کبھی بھی اس فعل کو نہ کرے گا ایسی ہی حالت لقمہ نگلنے

(۱) اعتبار اکثر کا ہوتا ہے (۲) جس کو غذا کی نالی کا علم بھی ہو اس کے اختیار میں بھی یہ بات نہیں کہ کھانا اس کے

علاوہ دوسری نالی میں نہ جائے (۳) بالکل غیر اختیاری ہے (۴) خدا کی قسم (۵) پیچھے وکیلو (۶) راستہ پر۔

والے کی ہوتی ہے مگر حق تعالیٰ کی نعمتوں اور فضل و کرم کا کیا ٹھکانا ہے کہ ایسے نازک کام کو خوبی سے انجام دیا ہے اور ایک دفعہ نہیں تمام عمر کے لیے نکلنے کا طریقہ ہر وقت کے لیے بھی قرار دے دیا، جو عیب تماشہ کے قابل بات تھی حتیٰ کہ اس عادت مستمرہ (۱) سے انسان یہ سمجھنے لگا کہ نگلنا تو کچھ بھی خطرناک بات نہیں اور ہمارا اختیاری فعل ہے باعث حیات ہے نہ کہ باعث ہلاک، دونوں وقت کھانا کھاتا ہے اور کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ میں نے کیا کیا تھا اور ہو کیا گیا۔ صاحبو! ہم اپنے ہاتھوں سے یہ ہلاکت کا کام کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ اس کو باعث حیات کر دیتے ہیں۔ دیکھئے اس کی قدر جب معلوم ہوتی ہے جب کبھی پھندا لگ جاتا ہے۔ کیا مصیبت ہوتی ہے آنکھیں باہر نکل آتی ہیں دموں (۲) پر بن جاتی ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اپنے اختیار سے انسان ایسی تکلیف مول لیتا ہے اگر اختیاری بات ہوتی تو پھندا کیوں لگنے دیتا۔ ایک شخص کو تھانہ بھون میں ایک تقریب میں ایسا پھندا لگا کہ دم کے دم میں مر ہی گئے۔ تمام مجلس دعوت کی مکدر ہو گئی (۳) اور سب خوشی ملیا میٹ ہو گئی۔ کیا یہ فعل اختیاری تھا؟

بندہ کا فعل صرف ارادہ ہے

صاحبو! بندہ کا فعل صرف ارادہ ہے، آگے ہر فعل کا فاعل اور ہی ہے ان حالات کو دیکھ کر موٹی سی عقل والا بھی کہہ اٹھتا ہے کہ انسان بڑا مجبور اور ضعیف ہے جس زندگی پر ہم پھولے ہوئے ہیں وہ دو وقت ہمارے اختیار سے اس خطرہ میں ڈالی جاتی ہے۔ ہم دن میں دو وقت پھانسی لگاتے ہیں مگر حق تعالیٰ کا فضل و کرم مستمر ہے (۴) کہ تمام عمر وہ پھانسی اپنا کام نہیں کرتی۔

عادت مستمرہ کے اختیاری نہ ہونے کی مثال

صاحبو! دیکھا ہوگا کہ ہم ڈاک میں خط ڈالتے ہیں اور وہ برابر پہنچتا ہے اور سینکڑوں ہزاروں دفعہ میں بھی شاید ایسا نہ ہوتا ہوگا کہ نہ پہنچے مگر کیا کبھی آپ کے دل میں یہ خطرہ بھی گزرا کہ ڈاک ہمارے اختیار میں ہے۔ ہر گز نہیں، تمہارا کام تو صرف خط ڈالنا تھا پہنچانا کسی اور کا کام ہے۔ بس ایسے ہی ان افعال کو سمجھ لیجئے کہ ارادہ اور کسب کے

(۱) مستقل عادت ہو جانے کی وجہ سے (۲) جان مصیبت میں آ جاتی ہے (۳) بے مزہ ہو گئی (۴) فضل و کرم مسلسل ہے

مرتبہ تک تو اختیاری ہیں اور اس کے بعد ثمرہ (۱) کے درجہ میں غیر اختیاری ہیں۔ پس عادت مستمرہ کو دیکھ کر سمجھ لینا کہ ہمارا فعل سبب حقیقی ہے نتیجہ کے وجود کا یقین غلطی ہے گو اس میں ایک دنیا بتلا ہو مگر غلطی غلطی ہی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تمام عمر یہ دیکھنے کے بعد بھی کہ خط لیٹر بکس میں ڈالنے سے پہنچ جاتا ہے یہ کبھی خیال نہیں ہوتا کہ لیٹر بکس میں یہ اثر ہے یا خط میں یہ اثر ہے یا ڈاک پہنچانا ہمارا اختیاری فعل ہے حالانکہ عادت مستمرہ کے رو سے خط لیٹر بکس میں ڈالنے پر ہمیشہ یہ نتیجہ متفرع (۲) ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دلیل مخالف کے ہوتے ہوئے عادت پر نظر کر کے کسی کو فاعل مختار قرار دے دینا ہرگز صحیح نہیں۔ یہ تو نگلنے کی حالت ہے کہ موت کا سامان ہے مگر حق تعالیٰ کی حفاظت سے حیات کا سامان بن جاتا ہے۔ اب اس کے بعد دیکھئے کہ غذا معدہ میں پہنچی سب جانتے ہیں کہ غذا معدہ میں کیوں پہنچائی جاتی ہے اس سے غرض بدل ما یتحلل (۳) کا پہنچنا یعنی بدن میں ہر وقت تحلیل واقع ہوتی رہتی ہے اگر اس کے بعد دوسرے اجزاء بدن میں شامل نہ ہوتے جاویں تو بہت ہی تھوڑے وقت میں بدن ختم ہو جائے تو غذا سے غرض یہ ہے کہ جزو بدن بن جائے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ غذا بدن کے مجانس اور مشاغل ہو (۴)، جوتی میں اگر پیوند لگانا ہو تو کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا اس میں باندھ دیا ہو اور جوتی درست ہوگئی بلکہ چمڑہ ہی سے اس کی مرمت ہو سکتی ہے۔ تو بدن میں جن اجزاء سے پیوند لگانا ہے ان کا بدن کے مشابہ ہونا ضروری ہے تو آدمی اگر خون پیتا تب تو کسی درجہ میں یہ خیال ہو سکتا تھا کہ تحلیل شدہ خون مادہ بدن تھا اس کے مشاغل کو معدہ میں پہنچایا ہے یہ جزو بدن بن سکتا ہے گو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اگر انسان خون بھی پیئے تب بھی اس میں فعل طبیعت سے استحالہ ہو کر قابلیت جزو بدن بننے کی پیدا ہوتی ہے کما برهن علیہ فی موضعه (۵) مگر خیر پھر بھی خون کو کچھ صورت مشاکلت تو بدن کے ساتھ ہے لیکن خون انسان کی غذا نہیں ہے بلکہ انسان ایسی چیز کو کھا جاتا ہے جس کو ذرا بھی مجانست بدن کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ مثلاً روٹی دال چاول وغیرہ اور اسی کا خون بن جاتا ہے۔ اب بتلائیے

(۱) نتیجہ (۲) ہمیشہ یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خط پہنچ جاتا ہے (۳) ایسی چیز کا پہنچنا جو تحلیل ہو جائے (۴) اسی کی جس شکل سے ہو (۵) جیسے اپنے مقام پر اس کی دلیل دی گئی ہے۔

یہ خون کون بناتا ہے؟ اگر خدا تعالیٰ نے معدہ میں قوت مستحیل کرنے کی (۱) اور جگر میں اخلاط بنا لینے کی (۲) نہ رکھی ہوتی تو یہ لقمے سب ویسے ہی رکے رہتے اور عجب نہیں کہ معدہ اور جگر کو پھاڑ ڈالتے۔ چنانچہ کبھی کبھی اس کو دکھلا بھی دیتے ہیں۔ بعض دفعہ معدہ اور جگر کی اس قوت کو کم کر دیتے ہیں تو کیا کیا مصیبتیں ہوتی ہیں۔ پیٹ میں درد ہوتا ہے، بند لگ جاتا ہے، ورم ہو جاتا ہے، پھوڑا بن جاتا ہے، وہ ایک لقمہ جو ہر روز غذا بنتا تھا آج بڑے بڑے ماہر طبیبوں اور ڈاکٹروں کے قابو میں نہیں آتا جزو بدن تو کیا کوئی بناتا اس کے نکال دینے اور بند کھول دینے پر بھی اس وقت قدرت نہیں ہوتی اور تڑپ تڑپ کر آدمی مر جاتا ہے۔

قدرت خداوندی

قدرت خداوندی ہے کہ ایسی چیز جو اس قدر پریشان کرنے والی اور غیر جس ہے ہر روز دو وقت ہمارے پیٹ میں جاتی ہے اور بدل مایتحلل بنتی ہے اور ہم کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ اس وقت کیا استحالہ ہوا (۳) اور اس کے بعد کیا ہوا۔ کس قدر عجیب بات ہے۔ اب انصاف سے فرمائیے کہ ان اسباب کے ہوتے ہوئے بقاء عجیب ہے یا ہلاک (۴)۔ ہلاکت تو ذرا بھی عجیب نہیں کیونکہ دو وقت روزانہ اپنے ہاتھوں اس کی تدبیر کی جاتی ہے۔ ہاں ان اسباب ہلاک کا الٹا اثر ہونا عجیب ہے تو انسان کا مرجانا تو عجیب نہ ہوا زندہ رہنا اور عمر کا امتداد (۵) بے شک عجیب ہوا۔ تو اب یہ توقع کہ میری عمر زیادہ ہونے والی ہے اور یہ کہنا کہ وقت بہت ہے پھر عمل کر لیں گے جلدی کیا ہے یہ کہنا جوانی میں بھی لڑکپن میں بھی غلطی ہے مگر خیر بچپن اور جوانی میں تو کسی درجہ میں کچھ گنجائش بھی ہے اس وجہ سے کہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے اس لیے بچہ اور جوان کو کسی قدر احتمال ہو سکتا ہے کہ میری عمر کا ایک حصہ اور باقی ہے لیکن بڑھاپے کے بعد کون سی حالت آنے والی ہے جس کی توقع کی جائے کہ ابھی تو بڑھاپا ہی آیا ہے اس کے بعد فلاں زمانہ آوے گا جو کچھ کرنا ہے آئندہ اس میں کر لیں۔ صاحبو! بڑھاپے کے

(۱) تحلیل کرنے کی طاقت (۲) اخلاط میں تبدیل کرنے کی طاقت (۳) کیا تبدیلی واقع ہوئی (۴) زندہ رہنا

بعد تو موت ہی ہے جو قاطع اعمال ہے (۱) اس لیے اگر بڑھاپے میں بھی وہی حالت رہی جو شباب (۲) میں تھی تو سخت افسوس کے قابل ہے۔ عارف شیرازی نے فرمایا:

شکست رنگ شباب و ہنوز رعنائی در آن دیار کہ بودی ہنوز آں جائی (۳)
وہ رعنائی کیا ہے یہ خیالات ہیں امتداد عمر کی توقع اور اعمال میں کوتاہی، کیا صاحبِ جو اس نیند سے جاگنے اور اس نشہ کے دور ہونے کے لیے اسی وقت کا انتظار ہے جو حدیث میں وارد ہے (الناس نيام فاذا ماتوا انتبهوا) کہ لوگ سو رہے ہیں مگر جاگیں گے۔ صاحبِ جو! یاد رکھو اس وقت کا جاگنا محض بے سود ہوگا (۴) اس سے پہلے ہی جاگ جاؤ سو اخیر وقت جاگنے کا بڑھاپا ہے، اگر خداع (۵) نفس سے لڑکپن اور جوانی میں توقع امتداد عمر کا نشہ رہا تو بڑھاپے میں تو اس خداع کے چلنے کی بھی کچھ گنجائش نہیں کیونکہ اس خداع (۶) کی بنا اس پر تھی کہ ابھی عمر کے حصوں میں سے ایک یا دو حصے باقی ہیں مگر اب تو یہ اخیر دور ہے اب یہ خداع کس بنا پر چل سکتا ہے ہم لوگوں کو کچھ تو ہوش سنبھالنا چاہئے۔ عمر برابر گزرتی چلی جا رہی ہے اور جو وقت گزر جاتا ہے وہ اختیار سے خارج اور اتنا بعید ہو جاتا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی چیز بعید نہیں (ما بعد مافات وما اقرب ما هوات) جس عمر کی توقع میں ہم لوگ بیٹھے ہیں وہ ایسی تیز رفتار ہے کہ اس کے اجزاء ہم پر برابر گزرتے چلے جاتے ہیں اور نظر بھی نہیں آتے۔ پس جو کام آئندہ کرنا ہے اس کی خبر اسی وقت سے لینا چاہئے کیونکہ زمانہ کے آئندہ اجزاء بہت جلد آنے والے ہیں اور جب آکر زمانہ حال میں شمار ہونے لگیں گے تو یک طرفہ العین (۷) میں حال سے ماضی بن جاویں گے اور اتنے دور ہو جاویں گے کہ دنیا بھر بھی چاہے کہ ایک جزو کو اس میں سے جو ابھی ایک منٹ بلکہ ایک سیکنڈ پہلے موجود تھا پکڑ لے تو ممکن نہیں۔

مدت عمر قلیل ہے

غرض عمر کے تینوں حصوں میں یعنی لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے میں سے بڑھاپے کو یہ خاص امتیاز ہے کہ لڑکپن میں تو چنداں ہوش ہی نہیں ہوتا اور جوانی میں (۱) اعمال کو ختم کرنے والی (۲) جوانی (۳) جوانی گذر گئی اور یہ ابھی بھی مستیوں میں مبتلا ہے اس غفلت کے دربار سے یہ کب باہر آئے گا (۴) بیکار (۵) نفس کے دھوکے سے (۶) یہ دھوکہ کس وجہ سے (۷) پلک جھپکتے ہیں۔

باوجود ہوش ہونے کے طبعاً آدمی کو یہ خیال ضرور رہتا ہے کہ عمر ایک ممتد (۱) شے ہے جس کا ایک حصہ ابھی باقی ہے لیکن بوڑھا پا آ جانے کے بعد کون سے حصہ کا انتظار کیا جاسکتا ہے۔ مگر آدمی میں طبعاً یہ غفلت رکھی ہوئی ہے کہ آئندہ زمانہ کو ممتد اور طویل سمجھتا ہے حالانکہ یہ ایسی غلطی ہے کہ خود ہی اس کا غلط ہونا محسوس ہو جاتا ہے کیونکہ یہ بھی طبعی بات ہے کہ زمانہ ماضی کو بچھ اور غیر ممتد سمجھتا ہے۔ گنوار سے بھی پوچھا جاوے کہ تمہاری عمر تو بہت ہوگی اور بڑا زمانہ تم نے دیکھا تو کہے گا جی کیا دیکھا سب باتیں خواب و خیال ہو گئیں کل کی بات ہے کہ ہم بچے تھے اور جوان ہوئے اور یہ ہوا اور وہ ہوا ایک مقدمہ تو یہ ہے کہ دوسرا مقدمہ یہ کہ اگر زمانہ کی حقیقت پر نظر کی جاوے تو ماضی و مستقبل میں کچھ فرق نہیں پس جب ماضی کو حقیر سمجھتے ہو تو مستقبل کو بھی حقیر سمجھو اور واقعہ بھی یہی ہے کہ زمانہ بہت ہی قلیل ہے اور ناقابل اعتبار چیز ہے اور اس میں ماضی و مستقبل میں کچھ تفاوت نہیں مگر کوئی مانع خارجی ہے (۲) جس کی وجہ سے مستقبل ہم کو بڑا اور ممتد (۳) دکھائی دیتا ہے جب اس خداع (۴) سے نفس نے اعمال سے انسان کو روک دیا پھر وہ مستقبل ماضی بن گیا تو اب اپنی واقعیت پر نظر آنے لگا اب اس کو طویل و ممتد دکھانے میں نفس کا کوئی نفع نہیں اس لیے اب سب باتیں خواب و خیال نظر آنے لگیں اور گزشتہ عمر ایک لمحہ جیسی معلوم ہونے لگی پس عاقل وہ ہے جو ماضی پر مستقبل کو قیاس کرے اور سمجھ لے کہ جیسے وہ خواب و خیال ہو گیا ایسے ہی آئندہ زمانہ بھی خواب و خیال سے زیادہ نہیں۔ غرض بوڑھا پا ایسا وقت ہے جو ختم عمر کی خبر لاتا ہے اور عمر کو واقعی حالت میں دکھاتا ہے کہ ساری عمر ایک لمحہ سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی اس واسطے آیت میں بوڑھا پے کا ذکر فرمایا کہ آج تم دنیا کی طرف تمنائے عود کرتے (۵) ہو حالانکہ تمہیں موت سے پہلے یاد دہانی بھی کرادی گئی تھی اور بڑھا پے میں عمر کی اصلی حالت دکھلا دی گئی تھی مگر تمہیں عقل نہ آئی اور اخیر عمر میں اعمال صالحہ نہ کئے اب اس تمنا سے کیا ہوتا ہے اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑھوں ہی سے یہ خطاب ہے کیونکہ یہاں دو جملے مذکور ہیں۔

(۱) طویل (۲) ظاہری رکاوٹ (۳) بڑا اور طویل (۴) دھوکے سے (۵) دنیا میں واپس لوٹ جانے کی

چھوٹی عمر بھی تذکر کے لیے کافی ہے

ایک اَوْلَہ نُعَبِّرُکُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْہِ مَنْ تَذَکَّرَ (۱) اور دوسرا جَاءَکُمْ النَّذِیْرُ (۲) اور دونوں میں عطف من قبیل عطف الخاص علی العام ہے، معنی یہ ہوئے کہ ہم نے تم کو اتنی عمر دی تھی جس میں تذکر ممکن تھا اور اتنی عمر ملنا جوانوں کو بھی عام ہے پھر اس میں بعض پر تو بڑھاپا بھی آگیا پس مدار فائدہ نُعَبِّرُکُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ (۳) ہے نہ کہ جَاءَکُمْ النَّذِیْرُ (۴) اس سے اس خیال کا رد ہو گیا کہ آیت کے مخاطب بوڑھے ہی ہیں جوان نہیں ہیں خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ہر وہ شخص اس کا مخاطب ہے جس کو اتنی عمر دی گئی ہو جو تذکر کرنے کے لیے کافی ہو اور اس عمر کا بیان بھی اسی مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْہِ مَنْ تَذَکَّرُ کے ساتھ ساتھ ہو گیا کہ وہ تذکر کی کتنی عمر ہے سو یہ دیکھ لیا جائے کہ کس عمر کے لوگوں کو شرع نے مومن و متذکر ہونے کا مکلف (۵) بنایا ہے سو بچہ کا ایمان تو معتبر نہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ بچہ مومن ہو تو اس کو مومن نہ کہیں گے بلکہ یہ معنی ہیں کہ ابھی وہ غیر مکلف (۶) ہے پس شرعاً بلوغ سے انسان احکام شرعیہ کا مخاطب ہوتا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہم نے تم کو بلوغ کی عمر دی تھی جس میں سمجھنے والے بات کو سمجھ سکتے تھے، پھر تم کیوں نہیں سمجھے تم نے غفلت کیوں کی، معلوم ہوا کہ سن بلوغ کو پہنچنا اَوْلَہ نُعَبِّرُکُمْ کے خطاب کو کافی ہے اور وہ بھی اصل فائدہ ہے ہاں خاص کر بوڑھوں کی حالت زیادہ افسوس کے قابل ضرور ہے کیونکہ وہ اَوْلَہ نُعَبِّرُکُمْ کے خطاب کے ساتھ جَاءَکُمْ النَّذِیْرُ (اور تمہارے پاس ڈرانے والا بن کر آچکا تھا) کے خطاب کے بھی مخاطب ہو گئے اس لیے ان کی حالت خاصہ کو اس حالت عامہ کے بعد بیان فرما دیا یہ ایسا ہے کہ جیسے ایک چور تو وہ ہو کہ ضرورت و افلاس کی وجہ سے چوری کرے اور ایک مالدار ہے جو بے ضرورت، محض شرارت و خباثت نفس سے چوری کرے تو کوئی اس سے کہے بھلے آدمی برے کام کا انجام نہ سوچا اور کچھ نہوت (۷) بھی تو تھی جو خواہ مخواہ اپنے پیر میں آپ (۱) ”اور کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کرتا“ (۲) ”اور تمہارے پاس ڈرانے والا بن کر آچکا تھا“ (۳) ”کیا ہم نے تم کو ان کی عمر نہ دی“ (۴) ”اور تمہارے پاس ڈرانے والا بن کر آچکا تھا“ (۵) ایمان لانے اور احکام پر عمل پیرا ہونے کا پابند کیا (۶) پابند احکام نہیں (۷) اس کے پاس مال نہ ہو افلاس کی وجہ سے چوری کرے۔

کلباڑی ماری اس جملہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس کو نہوت ہو اس پر چوری کرنے میں کچھ الزام نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چوری تو ہر حال میں موجب الزام ہے خواہ ہوت ہو یا نہ ہوت ہو (۱) مگر ہوت (۲) کی صورت میں زیادہ الزام ہے اس سے خوب اچھی طرح سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ اَوْ لَمْ نَعْبُدْكُمْ (۳) کے ساتھ جَاءَ كُمْ النَّذِيرُ (اور تمہارے پاس ڈرانے والا بن کر آیا تھا) کو کیا تعلق ہے مواخذہ تو صرف بلوغ تک پہنچنے سے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ سمجھ آنے کے لیے بلوغ کا زمانہ بھی کافی ہے لیکن اگر بڑھا پے کی عمر کو بھی پہنچ جاوے تو مزید الزام کا مستوجب ہے (۴)، پس جوان بھی بحالت عدم تذکر اس خطاب سے بچ نہیں سکتے۔

جوانی اور بڑھا پے میں فرق

اب اس مضمون کو ایک دوسرے عنوان سے سمجھئے وہ یہ کہ جوانی اور بڑھا پے میں فرق کرنے کی کیا وجہ، جبکہ ہر جزو عمر میں یہ احتمال ہے کہ اخیر ہو، اگر ہو سکتا ہے تو صرف اتنا فرق کہ اور عمروں میں جیسے یہ احتمال ہے کہ یہ اخیر ہوا ایسے ہی یہ بھی احتمال ہے کہ اخیر نہ ہو بلکہ اس حصہ کے ختم ہونے کے بعد دوسرا یا تیسرا حصہ بھی مل جائے اور بڑھا پے میں وہ دوسرا احتمال ہی نہیں کہ شاید یہ اخیر نہ ہو، توقع نہیں کیونکہ وہ یقیناً اخیر ہے۔ بس یہ فرق ہو سکتا ہے اور یہ فرق کسی درجہ میں ہے ضرور، لیکن یہ فرق قابل اعتبار نہیں کیونکہ جب یہ احتمال تسلیم کر لیا گیا کہ شاید یہ اخیر ہو اور یہ احتمال مضرت کا احتمال ہے (۵) اور عقلی قاعدہ ہے کہ مضرات میں بچنے کے لیے احتمال بھی کافی ہوتا ہے۔ تمام دنیا کے کام اسی قاعدہ پر مبنی ہیں اپنے تمام افعال و اعمال کو دیکھ لیجئے ان کی بنا اسی پر ہوگی کہ ضرر محتمل کے دفع کا انتظام (۶) پہلے سے کیا جاتا ہے۔ دیکھئے بچہ جب تک ماں باپ کے پاس پرورش پاتا ہے اور خود اپنا گھر الگ نہیں کرتا ماں باپ اسی وقت سے اس کو کسب معاش کے لیے پڑھانا لکھانا شروع کرتے ہیں حالانکہ اس وقت اس کو روپیہ کمانے کی ضرورت بھی نہیں (۱) مال ہونہ ہو (۲) مال ہونے کی صورت میں زیادہ الزام ہے (۳) ”اور کیا تم کو اتنی عمر نہ دی“ (۴) الزام لازم ہو جاتا ہے (۵) نقصان کا احتمال سے (۶) نقصان وہ احتمال ہے بچا جاتا ہے۔

ہے مگر اس احتمال ضرر کی وجہ سے پڑھاتے لکھاتے ہیں کہ خود گھر کرنے کے وقت اگر اس کو ضرورت پڑی تو کام کیسے چلے گا اور یہ نقصان اور تکلیف اٹھائے گا۔ دیکھئے ضرر محتمل کے لیے کتنے پہلے سے انتظام ہوتا ہے اور ایک بہت ہی موٹی سی نظیر کواڑ اور قفل (۱) اور پہرہ دار ہیں کہ حفاظت کے لیے ان چیزوں کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے کواڑ اسی وقت سے لگائے جاتے ہیں، جب سے کہ مکان بنتا ہے چاہے ابھی برسوں رہنے کا بھی ارادہ نہ ہو اور پہرہ دار خزانہ کے پاس اسی وقت سے مقرر کر دیئے جاتے ہیں جس وقت سے خزانہ رکھنے کا ارادہ ہوتا ہے گوا بھی رکھنا نہ ہو، رکھنے سے پہلے اس کا انتظام کر لیا جاتا ہے اور بعد میں خزانہ رکھا جاتا ہے حالانکہ یقینی بات ہے کہ اس وقت ضرر یقینی نہیں محض درجہ احتمال میں ہے کہ شاید وقت پر انتظام نہ ہو سکے مگر اس ضرر محتمل کو یقینی کی جگہ سمجھ کر حفاظت کا سامان کیا جاتا ہے۔ کسی کو یہ نہ دیکھا سنا ہوگا کہ کواڑ مکان میں چوری ہونے کے وقت لگائے ہوں جب چور گھر میں گھس آئے تو کواڑ کیا کام دیں گے بیوقوف سے بیوقوف بھی جب مکان بناتا ہے تو چاہے برسوں رہنے کا بھی ارادہ نہ ہو تب بھی کواڑ تعمیر کے ساتھ ہی لگا دیتا ہے گویا کواڑ مکان کی تعمیر کا جزو ہے۔ دیکھ لیجئے یہ سب ضرر محتمل کے انتظام ہیں تو اگر مان بھی لیا جائے کہ بڑھاپے اور دیگر حصہ عمر میں یہ فرق ہے کہ بڑھاپے میں مرجانا یقینی ہے اور دیگر حصص میں محتمل تب بھی اس فرق سے دونوں کے احتمال میں تو کچھ فرق نہیں ہو سکتا۔ ضرر محتمل ہی حکم لگا دینے اور اس کے مقتضیات پر عمل کرنے کے لیے کافی ہے ورنہ اس شخص کی سی مثال ہوگی کہ جب چوروں کا آ جانا یقینی ہو گیا تو کواڑ چڑھانے کو کھڑا ہوا اور جب خزانہ لٹنے لگے اور ڈاکو آ چڑھیں تب پہرہ دار کو ڈھونڈتا پھرے۔

فنا کے وقوع میں جوان

جوانی اور بڑھاپے میں یہ فرق کچھ قابل اعتبار نہ ہوا کہ جوانی میں فنا محتمل ہے اور یہ بھی جب ہے کہ جوانی میں فنا ضعیف درجہ میں محتمل ہو اور آج کل تو فنا کے وقوع میں جوان اور بوڑھا دونوں قریب برابر کے ہو رہے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے، مگر خیر ہم

مان لیتے ہیں کہ جوانی اور بڑھاپے میں احتمال کی قوت وضعف کا کچھ فرق ہے مگر خود یہ فرق غیر معتد بہ ہے^(۱) اور اس فرق پر ہرگز کوئی حکم نہیں کیا جاسکتا تو عقلمندی کی بات یہ ہے کہ ہر جز و عمر کو بھی سمجھے کہ بس یہ اخیر حصہ ہے۔

شاید ہمیں نفس نفس واپسی بود^(۲)

ہر شخص خواہ کسی عمر کا ہو موت کا منتظر رہے اور اس کے مقتضا پر عمل کرے۔ ہر وقت ایسی حالت میں رہنا چاہئے کہ اگر بڑھاپے سے بھی زیادہ قرب موت کی یقین دلانے والی کوئی اور دلیل موجود ہو جاوے تو جو حالت اس وقت ہو وہ حالت ہر شخص کی ہر وقت ہونی چاہئے۔ مثلاً کسی کو بذریعہ کشف معلوم ہو جائے کہ دو دن زندگی کے اور ہیں، یا کوئی بڑا حاذق طبیب کہہ دے کہ اب زندگی نہیں ہو سکتی، صرف دو چار دن کی حیات^(۳) اور ہے تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ اس کی کیا حالت ہو کیونکہ کشف اور طبی تحقیق دونوں غلطی کے احتمال سے خالی نہیں مگر پھر بھی اس وقت اس کی حالت یہ ہوگی کہ اگر وہ شخص دنیا دار ہے تو جو کچھ لکھنا پڑھنا، وصیت کرنا، دینا لینا ہے فوراً شروع کر دے گا اور جلد سے جلد ان کاموں کو ختم کرے گا اور اگر دیندار ہے تو سب کاموں کو چھوڑ کر آخرت کی اصلاح کرے گا حقوق ادا کرے گا، نمازوں کی قضا یا فدیہ دینا شروع کر دے گا روزے قضا کرے گا خصوصاً معاصی کو تو بالکل ہی ترک کر دے گا بلکہ معصیت کا تو خیال بھی نہیں آئے گا بس ایک گوشہ میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہو جاوے گا، سو احتمال کا بھی اثر ایسا ہونا چاہئے، خصوصاً جبکہ وہ احتمال کسی مصیبت عظیمہ کا ہو جیسے آخرت کی عقوبت^(۴) سے، سو آخرت کے عذابوں اور مصیبتوں سے اعتقاد کا مقتضایہ ہے کہ اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہو تو اس کا انتظام بہت پورا اور بہت پہلے سے کیا جائے کیونکہ ضرر محتمل کے افراد میں شدت وضعف کے فرق کے اعتبار سے بھی احتیاط کے درجات میں فرق ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی کام میں آدمی کو مل کے ضائع ہونے کا احتمال ہو تو اس سے اتنا ہراس^(۵) نہ ہوگا جتنا کہ اس کام سے ہوگا جس میں احتمال پھانسی پانے کا ہو اور اسی ہراس^(۶) کے فرق

(۱) اس فرق کا کچھ اعتبار نہیں^(۲) ”شاید یہی سانس آخری سانس ہو“^(۳) زندگی^(۴) آخرت کا عذاب

(۵) گھبراہٹ (۶) گھبراہٹ و پریشانی۔

کے موافق دونوں کے انتظاموں میں فرق ہوگا۔ تو جبکہ معلوم ہے کہ آخرت کی ادنیٰ مصیبت بھی دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت سے زیادہ ہے جس کی ایک دن کی بھی اگر سزا کا حکم ہو گیا تو وہاں کا دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے۔ **وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّنْ حِسَابِ تَعَدُّونَ** (۱) تو آخرت کے محتمل ضرر سے بچنے کے لیے بھی کس قدر اہتمام اور بچنے کی تدابیر کرنے کی ضرورت ہوگی کہ دنیا کے کسی یقینی ضرر کے لیے بھی نہ ہوگی اس تقریر سے اچھی طرح یہ بات ذہن نشین ہوگئی ہوگی کہ جوانی اور بڑھاپے میں ایسا فرق کرنا غلطی ہے جس سے جوانی کا زمانہ غفلت ہی میں گزارا جائے لیکن افسوس ہے کہ ہم لوگوں کی حالت بالکل اس کے خلاف ہے۔ جوانی کو تو کیا کہا جاوے بڑھاپے میں بھی کچھ فکر نہیں بلکہ حالت تو یہ بتا رہی ہے کہ بڑھاپے میں جوانی سے بھی زیادہ بے فکری ہے۔ بوڑھوں کے آج کل وہ منصوبے ہیں کہ جوانوں کے بھی نہیں۔ عقل سے تو کوئی وجہ بڑھاپے میں بے فکری کی ثابت نہیں ہوتی ہاں ایک مہمل وجہ (۲) یہ ہے کہ بڑھاپے کو بھی تو کچھ امتداد ہوتا ہے یعنی یہ نہیں ہوتا کہ ایک بال میں سفیدی آئی اور آدمی مر گیا بلکہ برس چھ مہینہ سال دو سال چار سال زندہ رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ زمانہ ذوا امتداد ہے (۳)۔ صاحبو! اگر اس کا یہی نام امتداد ہے تو مرنے سے ایک دو دن پہلے کا زمانہ یہی بلکہ ایک دو منٹ پہلے کا زمانہ بھی ممتد ہے، کیونکہ کچھ تو اجزاء اس کے بھی نکل سکتے ہیں۔ صاحبو! یہ صرف نفس کا خداع ہے (۴) اور امتداد اس کو کہنا چاہئے کہ کام پورا کر کے وقت بچا رہے یعنی کام تھوڑا ہو اور وقت بہت ہو مثلاً کسی کو ریل پر جانا، اور دو دن پہلے سے ارادہ ہے لیکن کام صرف یہ ہے کہ بستر باندھے اور اسٹیشن پر پہنچ جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ابھی وقت بہت ہے جلدی کیا ہے اس دو دن کو ممتد زمانہ کہہ سکتے ہیں، برخلاف اس کے کہ ایک شخص اپنی اولاد کو مختلف علوم کی تعلیم دلانا چاہتا ہے جس میں فرض کیجئے کم از کم دس برس درکار ہیں، پس ہر چند کہ دس برس کا زمانہ ظاہر میں بہت ممتد ہے لیکن ان کاموں کو دیکھ کر اطمینان کر لے کہ زمانہ بہت ہے اور کام نہ کرے تو جو کچھ انجام اس کا ہوگا ظاہر ہے۔

(۱) ”یہ تحقیق تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے جن کو تم دنیا میں شمار کرتے

ہو“، حج: ۲۲/۳۷ (۲) بیا کر وجہ (۳) یہ زمانہ بھی کچھ طویل ہے (۴) دھوکا۔

صاحبو! کیا فرق ہے اس شخص کی حالت میں اور ہماری حالت میں۔ اگر ہم کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ہماری عمر کے پچاس برس باقی ہیں تب بھی اس زمانہ کو مستند (۱) سمجھنا غلطی ہے کیونکہ جو کام اس وقت میں کرنے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ جو شخص تعلیم سے امتداد وقت کے بھروسہ پر بیٹھ رہے اس کو تو بیوقوف کہا جائے اور احمق اپنے آپ کو عقلمند سمجھیں۔ یہ صرف غفلت اور خداعِ نفس ہے (۲) کہ وہ عمر کے ہر جزو میں بھی کہہ دیتا ہے کہ یہ جزو آخر نہیں ہوش کی بات یہ تھی کہ ہم ہر اس جزو کو بھی جس کے آگے دوسرے جزو کا آنا عادت معلوم ہے اخیر ہی سمجھتے تھے کہ اپنا کام تیار ہو جائے اگر کام تیار ہو گیا اور یہ جزو اخیر نہ نکلا تو آئندہ جو اجزاء آویں گے ان میں بے فکری رہے گی پریشانی نہ ہوگی اور جو شخص آج کا کام کل پر ٹالتا ہے اس کو کبھی راحت نہیں ہو سکتی کیونکہ کل کے لیے دوسرا کام ہے۔ اُس میں آج اور کل دونوں کا کام نہیں ہو سکتا اور خیر محنت کر کے ایک دن میں دو دن کا کام بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر اس نے کل بھی کچھ نہ کیا اور پرسوں پر ٹالا اور اسی طرح ٹالتا رہا تو بتلائیے اس سے کس طرح کام پورا ہو سکتا ہے؟ کسی طرح بھی نہیں (۳)۔ بس جوانوں کو بھی غفلت ہرگز جائز نہیں۔ اَوَلَمْ نَعْبَدِكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ (۴) میں تذکر کے مخاطب وہ بھی ہیں (۵)۔ بیان یہ تھا کہ گو اَوَلَمْ نَعْبَدِكُمْ میں خطاب کفار کو ہے لیکن وجہ خطاب میں جو بھی کوئی شریک ہو سب اس میں شامل ہیں۔ پس سعادت کی بات تو یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے خطاب سے بھی فائدہ اٹھاوے اور اگر خود ہی پٹ کر عقل آئی تو کیا آئی۔ دیکھئے عدالت میں مجرم کو سزا دی جاتی ہے اور اس کا اعلان کیا جاتا

(۱) طویل سمجھنا (۲) نفس کا دھوکا (۳) جیسے ایک دن کی پانچ نمازیں فرض اور ایک وتر ہے، ایک دن میں فرض واجب کل ۲۰ رکعت ہوتی ہیں ایک دن نہ پڑھی اگلے دن چالیس پڑھنا ہوں گی اور اگر ایک ماہ تک نہ پڑھیں تو اگلے ماہ بارہ سو رکعت پڑھنا پڑیں گی اگر ایک سال نہ پڑھیں تو اگلے سال ۱۴۶۲۰ رکعت پڑھنا پڑیں گی ہماری نماز کوئی دوسرا بھی نہیں پڑھ سکتا پس مرنے سے قبل قضاء کرنا ضروری ہے۔ اگر نہ کیں تو پچھلی ملا کر مرنے کے وقت فدیہ کی وصیت ضروری ہے۔ ایک نماز کا فدیہ پونے دو سیر گندم، اختیاطاً دو سیر گندم ہے ایک دن کی بارہ کلونتی ہے جس کی ادائیگی مشکل، مرنے پر اس کے بارے میں سوال اور اس پر عذابِ ثقیفی۔ ادائیگی کی آسان صورت ہر نماز کے ساتھ ایک نماز قضاء پڑھ لیا کرے (۴) ”اور کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی جس میں صیحت حاصل کرنے والا صیحت حاصل کرے“ (۵) یہ خطاب عام ہے جسمیں نوجوان بھی شامل ہیں۔

ہے اس اعلان کی غرض یہ ہے کہ وہ لوگ جو مجرم نہیں ہیں متاثر ہوں۔

عقل کی بات

عقل کی بات یہی ہے کہ مجرم کی مخاطبت سن کر غیر مجرم اپنے کان کھول لے (۱) نہ یہ کہ اس خیال میں رہے مجھ کو تو سزا کا مخاطب نہیں بنایا گیا کیونکہ اس صورت میں اعلان کی منفعت باطل ہو جاتی ہے (۲)۔ غرض یہ تو معلوم ہے کہ ہمارے اندر غفلت موجود ہے اور تنبیہ کی ضرورت بھی سب کو مسلم ہے اور تنبیہ کا طریقہ موثر تجربہ سے بھی ہے کہ ہر جزو عمر کو اخیر سمجھا جائے اور یہ عقلی مسئلہ ہے کہ مقدمۃ الواجب واجب (۳) تو یہ خیال رکھنا من وجہ واجب ہوا اور یہ بات قرآن میں تو استدلال سے ثابت ہوئی ہے مگر حدیث میں اس کا حکم مصرح ہے۔

ازالہ غفلت کی تدبیر

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اذا قمت فی صلوٰتک فصل صلوٰۃ مودع (۴) یعنی جب نماز کو کھڑے ہو تو اس طرح نماز پڑھو جیسے دنیا کو رخصت کر رہے ہو یعنی یہ سمجھو کہ یہ عمر کا جزو اخیر ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ صلوٰۃ کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن علت پر نظر کر کے تمام اعمال کو عام ہے، نماز کا ذکر بوجہ اس کی فضیلت کے فرمایا ہے ورنہ ہر عمل میں اس مضمون کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ غفلت بدون (۵) اس کے زائل نہیں ہو سکتی اور ازالہ غفلت کی ہر عمل میں ضرورت ہے۔ پس آدمی جو عمل بھی کرے یہ سمجھ کر کرے کہ شاید اس کے بعد اس عمل کی نوبت نہ آوے جب یہ خیال ہوگا تو دیکھئے نماز کیسے پڑھے گا جس شخص کو عصر کے بعد مغرب کی امید نہ ہو تو وہ عصر کو ایسا پڑھے گا کہ رکوع اور خشوع اور جملہ ارکان کا پورا حق ادا کر دے گا۔ یہ طبعی بات ہے کہ انسان اخیر عمل کو بہت ہی اچھی طرح کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جب کسی شخص کی پنشن کا وقت آتا ہے تو وہ آخری زمانہ ملازمت میں کس خوبی اور محنت سے کام کرتا ہے۔ تاکہ حکام (۱) مجرم کو خطاب سنا کر غیر مجرم عبرت پکڑیں (۲) اعلان کا کوئی فائدہ نہیں (۳) واجب کے مبادیات بھی واجب ہوتے ہیں (۴) مشکوٰۃ المصابیح: ۵۲۲۶ (۵) اس کے بغیر۔

اخیر عمل کو دیکھ کر پنشن کے ساتھ کچھ انعام بھی دے دیں، اسی طرح مسلمان کو جب یہ معلوم ہو جائے کہ بس اب میرا اخیر وقت ہے تو وہ آخری نماز کو بہت ہی عمدگی سے ادا کرتا ہے اس لیے بعد تعدیہ حکم گویا حضور یہ فرماتے ہیں کہ تم ہر عمل کو آخری ہی سمجھ کر کیا کرو۔ (۱) اس سے خوبی نکلتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی، کہ ہم کو ایسا گر بتلا دیا جس سے کوئی بھی عمل ناقص نہ رہے مگر افسوس ہمارا عمل اس پر بالکل نہیں حتیٰ کہ اگر بیمار بھی ہوں گے تو بجائے اس کے کہ عمر کا خاتمہ سمجھیں ہر نماز میں یہ سمجھتے ہیں کہ دوسری نماز بھی تو آئے گی اس کو اچھا کر کے پڑھ لیں گے اسی طرح عمر ختم ہو جاتی ہے اور کوئی بھی نماز درست نہیں ہوتی کاش بجائے اس کے اس کا عکس ہوتا کہ تندرستی میں بھی ہر عمل کو اخیر سمجھ کر کرتے، گواہ وقوع میں وہ اخیر نہ ہوتا اس سے حرج کیا ہوتا بلکہ فائدہ ہوتا کہ ہر عمل کی اصلاح ہو جاتی۔ غالباً آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ بعض باتیں فرضی اور غیر واقعی کسی ایسی مصلحت سے جس کا حاصل ہونا بلا ان فرضیات (۲) کے ممکن نہیں ہے، مان لی جاتی ہیں۔ دیکھئے صرف ونحو میں کس قدر فرضیات ہیں۔ کہتے ہیں قَالَ اصل میں قَوْل تھا اور زید قائم میں ہو پوشیدہ ہے کوئی پوچھے کہ کون سے نحو کے امام نے اس ہو کو دیکھا تھا اور انہوں نے کس طرح دیکھا اور ہم سے کیا اسے پردہ تھا کہ پوشیدہ ہو گیا اور قال کون سے بادشاہ کے زمانہ میں قَوْل تھا۔ علیٰ ہذا صداہا قواعد صرف ونحو کے ایسے ہی ہیں بلکہ زیادہ حصہ ان علوم کا ایسی ہی باتیں ہیں مگر ان کو اس مصلحت سے مان لیا گیا ہے کہ غیر عربی کو عربی زبان آجائے۔ چنانچہ واقعی آ جاتی ہے ایسے ہی علم طب کو دیکھئے، کہتے ہیں کہ غذا معدہ میں جاتی ہے اور وہاں سے جگر میں جاتی ہے اور وہاں سے رگوں میں اور تمام اعضاء کے فعل بیان کرتے ہیں۔ کوئی جزء جذب کرتا ہے کوئی دفع کرتا ہے کوئی تقسیم کرتا ہے۔ گو میں ان باتوں کو غلط نہ کہوں مگر کسی کی دیکھی ہوئی بھی نہیں ہیں۔ علم تشریح سے اتنا معلوم ہو سکتا ہے کہ انسان میں اتنے اعضاء ہیں اتنی رگیں ہیں۔ باقی یہ کہ اس کا عمل کیا ہے اور اس کا عمل کیا۔ یہ باتیں ظن و تخمین سے کسی حالت میں نہیں بڑھ سکتیں لیکن ان کو بڑے

(۱) گویا حضور فرما رہے ہیں کہ تم ہر عمل کو آخری سمجھ کر کرو کہ یہ کسی علت ہر جگہ ہے (۲) ان مفروضوں کے بغیر۔

بڑے عقل مند مانتے ہیں بلکہ اطباء کو رسائی فہم کی داد دیتے ہیں اور کوئی فقیہ بھی یہ فتویٰ نہیں لگاتا کہ یہ جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنا ناجائز ہے بلکہ مسجدوں میں بیٹھ بیٹھ کر یہ جھوٹ پڑھایا جاتا ہے۔ وجہ کیا ہے کہ اس سے بہت سے کارآمد اور ضروری علوم حاصل ہوتے ہیں اور بہت سے مصالحِ معالجہ کے اس پر مرتب ہوتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کسی ضرورت سے ایک فرضی بات بھی تسلیم کر لی جائے تو مضائقہ نہیں تو اگر یہ خیال کہ ہر جزو عمر کو آدمی اخیر سمجھا کرے واقع کے مطابق بھی نہ ہو تب بھی اس ضرورت سے کہ موجب اصلاح اعمال ہے مان لینے کے قابل ہے، چہ جائیکہ یہ صرف فرضی بات بھی نہیں ہے کیونکہ ایسے واقعات دن رات ہوتے ہیں کہ آدمی عمر کو ممتد (۱) سمجھ کر کوئی کام شروع کرتا ہے اور عمر کے خاتمہ کا وقت آ جاتا ہے اور سب کام ناتمام رہ جاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے کسی کو یہ یقینی علم نہیں دیا کہ میری عمر کا کتنا حصہ باقی ہے جب یہ علم نہیں ہے تو احتمال ہر جزو میں ہو گیا تو یہ خیال صرف فرضی خیال نہ رہا بلکہ ایک درجہ میں گو وہ درجہ احتمال ہی کا ہو واقعیت بھی رکھتا ہے تو اس کی حقیقت غیر واقعی کو واقعی فرض کرنا نہیں بلکہ واقعی مستقبل کو درجہ احتمال میں حال تجویز کر لینا ہے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم واقعی بات کی ہوئی نہ یہ کہ ایک بات کو زبردستی منوالیا گیا بلکہ آپ نے اس بات کو یاد دلایا ہے جس کو ہماری عقل خود بھی مانتی ہے کیونکہ ابھی اوپر بیان ہوا ہے کہ عقلاً مضرت کا احتمال بھی لزوم احتیاط و حفاظت میں یتقن کے برابر ہے (۲) تو جب ہر جزو عمر میں اخیر ہونے کا احتمال ہے تو یہ احتمال عقلاً یتقن کے حکم میں ہے۔ اب فرمائیے کیا گنجائش ہے عمر کو ممتد سمجھنے کی اور اگر ایسا کیا جائے گا تو اس پر غفلت کا حکم کیوں نہ لگے گا۔

نفس کو عمل پر آمادہ کرنے کا ایک حیلہ

یہاں سے صوفیہ نے ایک مراقبہ ایجاد کیا اور وہ درحقیقت سنت مذکورہ سے ثابت ہے جیسے احکام اجتہادیہ کے استنباط کی نسبت مجتہدین (۳) کی طرف کی جاتی ہے مگر واقع میں وہ نصوص ہی کے مدلول ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ القیاس مظهر لا مثبت (۴) وہ مراقبہ (۱) طویل سمجھ کر (۲) نقصان کے احتمال کی صورت میں بھی عقل احتیاط کو لازم قرار دیتی ہے (۳) اجتہاد سے ثابت شدہ مسائل کی نسبت مجتہدین کی طرف کی جاتی ہے (۴) قیاس حکم کو ظاہر کرتا ہے ثابت نہیں کرتا۔

یہ ہے کہ صوفیہ نے نفس سے کام لینے کے لیے ایک حیلہ تجویز کیا ہے کہ نفس سے اولاً ہی یہ نہ کہو کہ گھنٹہ کام کرنا ہوگا بلکہ اول سے یہ کہو کہ پاؤ گھنٹہ ذکر کر لے جب پاؤ گھنٹہ ہو گیا پھر کہو کہ دو پاؤ گھنٹہ اور کر لے۔ اسی طرح جتنا وقت درکار ہوتا ہے اتنے وقت تک نفس کو کام میں لگا لیتے ہیں اور نفس پر گراں نہیں ہوتا اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک آدمی کے سامنے پچاس روٹیاں رکھ دی جائیں تو وہ دو چار سے زیادہ نہ کھا سکے گا اور اگر آدمی آدمی روٹی لائی جائے تو وہ سیروں آٹا کھا جائے گا۔ تجربہ کر لیا جائے اسی طرح ذکر میں بھی سارا وقت نفس کے سامنے ایک دم سے پیش نہ کرو بلکہ پاؤ پاؤ گھنٹہ پیش کرتے رہو اس طرح وہ گھنٹوں میں بھی نہ تھکے گا۔ اسی طرح سفر میں جاؤ تو نفس سے کہو کہ اس گاؤں تک ذکر کر لے جب وہاں پہنچے تو پھر کہو کہ اس اگلے گاؤں تک اور کر لے، اسی طرح سارا سفر ختم کر دیا ویسے تو نفس کام نہ کرتا اگر تم یہ کہتے کہ سارے سفر میں ذکر کرنا ہوگا مگر اس حیلہ سے کام کر لیا اور کچھ بار بھی نہ ہوا، سب اجزاء کو ملا کر دیکھا جائے تو گھنٹے تو بہت سے ہو گئے مگر نفس آمادہ اس واسطے ہو گیا کہ تم نے ہر جزو میں اس کو تھوڑا کام دیا اور ہر جزو کو اس نے کام کا اخیر سمجھا تو اگر نماز بموجب تعلیم حدیث کے پڑھو گے تو نماز کامل بھی ہوگی اور نفس پر بار بھی نہ ہوگا معلوم ہوا کہ ہر جزو کو اخیر سمجھنا موجب سہولت بھی ہے۔ یہی اصل ہے اس مراقبہ کی اور یہ فصل صلوٰۃ مودع (رخصت ہونے والے کی نماز) سے ثابت ہو گیا اور اوپر میں بیان کر آیا ہوں کہ بطور استدلال کے قرآن سے بھی یہ مضمون ثابت ہے تو یہ مراقبہ قرآن وحدیث دونوں کے موافق ہوا۔ اب یہ بات اور قابل غور ہے کہ فصل صلوٰۃ مودع پر عمل جب ہی ہوگا کہ باقی عمر کو طویل نہ سمجھے جیسا کہ ظاہر ہے اور میں نے یہ بیان اس وقت اس واسطے بھی اختیار کیا ہے تاکہ کام کی ضرورت کے ساتھ کام کرنے میں سہولت کا طریقہ بھی معلوم ہو۔

قرآن وحدیث کو غور سے دیکھنے کی ضرورت

یہ مضمون قرآن وحدیث میں بہت جگہ موجود ہے لیکن ہم غور نہیں کرتے، پس قرآن وحدیث کو بھی غفلت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تذکر (۱) کی نظر سے نہیں دیکھتے

کیونکہ وہ محتاج استحضار ہے اور اس غفلت سے بجز عقائد کے باقی ہمارے حالات سب کے سب ہی بگڑے ہوئے ہیں، عقائد تو بحمد اللہ صحیح ہیں۔ (۱)

وقت ٹالنے کی عادت

لیکن عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت جن میں استحضار کی حاجت ہے کوئی بھی درست نہیں۔ ان سب کے درست نہ ہونے کی وجہ اکثر یہی ہے کہ ہم کو وقت کے ٹالنے کی عادت ہے جو کوئی کسی گناہ میں مبتلا ہے وہ اس کے چھوڑنے کو آئندہ پر محمول کرتا ہے۔ ہر شے گویم کہ فردا ترک اس سودا کم باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم (۲) اور جو کسی اطاعت میں قاصر ہے (۳) وہ کہتا ہے کہ ایک ہفتہ کے بعد شروع کروں گا۔ بعض جاہلوں سے نماز کے لیے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کپڑے دھلنے گئے ہیں۔ جمعہ کو آویں گے تب سے نماز شروع کریں گے۔ بعض اس سے بھی بڑھ کر ہیں، کہتے ہیں کہ اب کی عید سے شروع کریں گے۔ شاید ان کے پاس کوئی پروانہ آگیا ہے کہ اب کی عید تک یہ زندہ بھی رہیں گے جو شخص اللہ و رسول کو مانتا ہو اس کے ٹالنے کے کیا معنی جبکہ اللہ و رسول سے ان وعدوں کے پورے کرنے کی تمنا ہے جو اعمال پر وارد ہیں اور ان وعیدوں (۴) کے ترتب کا بھی قوی اندیشہ ہے جو معاصی (۵) کے متعلق ہیں تو اب یہ محض نفس کی بے حیائی اور شرارت ہے کہ ایک بات کو تسلیم کر کے پھر اس کے خلاف کی طرف چلتا ہے بعض لوگ حج کا ارادہ رکھتے ہیں اور حج کو اپنے اوپر فرض بھی جان چکے ہیں لیکن اپنے کسی دوست سے کہتے ہیں کہ ہم تم دونوں ساتھ چلیں گے، میں کہتا ہوں کہ اس دوست کو چاہئے کہ ان سے لکھوالے کہ میں اور تم دونوں اس وقت تک زندہ بھی رہیں گے۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں وہ اس مضمون کو کیونکر لکھتے ہیں اور اپنی اور اس کی زندگی کا یقین کس طرح دلاتے ہیں۔

تمام غلطی کی جڑ

غرض تمام غلطی کی جڑ یہ ہے کہ ہم اپنی عمر کو طویل اور ممتد سمجھتے ہیں، لہذا جی چاہا

(۱) اب تو وہ بھی بگڑنے لگے (۲) ”میں ہر رات میں کہتا ہوں کہ کل کو یہ کام ترک کر دوں گا، پھر جب کل آتی ہے تو کہتا ہوں آج نہیں بلکہ کل“ (۳) اگر کسی نیک کام کرنے میں کوتاہی ہے (۴) سزا کے مرتب ہونے کا (۵) گناہ۔

کہ اس کی اصلاح کردی جائے اس کی اصلاح یہ ہے کہ ہر جزو عمر کو اخیر سمجھنا چاہئے۔ یہ اجمالی اصلاح ہے اس کی تفصیل آپ خود کر سکتے ہیں۔ ایک دفعہ غور کر کے دیکھئے کہ اگر کسی طرح آپ کو کسی صاحب کشف یا نجومی یا طبیب کے کہنے سے ضعیف ساشبہ بھی پڑ جائے کہ آج شام تک زندگی ختم ہے تو اس وقت آپ کی کیا حالت ہوگی۔ سوائے ضروریات کے کسی طرف خیال بھی نہ جائے گا لیکن اب جو ہم لمبے چوڑے قصے لیے بیٹھے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ غفلت کی عادت ڈال لی ہے ذہن کبھی اس طرف جاتا ہی نہیں کہ ایک دن عمر ختم بھی ہوگی حالانکہ ہر شخص کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ عمر ختم ہوگی بلکہ یہ معلوم ہے کہ اس کے لیے کوئی قاعدہ بھی مقرر نہیں کہ کب ختم ہوگی۔ اچھے خاصے ہٹے کٹے آدمی جن کے قوی ایسے تھے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ سو برس سے پہلے مریں گے، ذرا سی دیر میں مر جاتے ہیں۔ بالخصوص طاعون اور ہیضہ کے زمانہ میں یہ تماشے ہر شخص کے دیکھے ہوئے ہیں کہ اچھے اچھے شہ زور نوجوان صبح کو اچھے خاصے ملے اور شام کو دنیا سے رخصت ہو گئے کسی محقق اور تجربہ کار کو اب تک کوئی ایسا قاعدہ نہیں ملا جس سے عمر کا اندازہ کر سکیں باوجود ان باتوں کے مسلم ہونے کے عمر کے، امتداد کا خیال غفلت کے سوا کس بات پر مبنی ہو سکتا ہے؟ جو ایسی ظاہر چیز کو چھپا دیتی ہے۔

تذکرہ موت پر ایک شبہ کا جواب

ایک شبہ لوگوں کو یہ پڑا ہوا ہے کہ اگر ہر وقت موت کا خیال رکھے تو سب کاموں سے جاتا رہے۔ بس اکیلا جنگل میں پڑا موت کو سوچتا رہے، اس صورت میں تمدن کا نام و نشان بھی نہ رہے گا کیونکہ ہر چیز قابل ترک نظر آوے گی۔ اس کا حل یہ ہے کہ شریعت نے صرف موت کے تذکر کی تعلیم دے کر نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان امور کی تفصیل کما حقہ کردی ہے جن سے بچنے کی ضرورت ہے اور اس بچنے کے لیے تذکر موت کو ذریعہ تجویز کیا ہے۔

امور دنیا کے اقسام و احکام

سمجھ لیجئے کہ امور دنیا کئی قسم کے ہیں۔ ایک ضروریات، ایک سامان آسائش

وآرائش اور ایک فضولیات۔ سو ضروریات کا بہم پہنچانا تو آدمی کے لیے واجب اور ضروری ہے صرف یہی نہیں کہ شریعت ان کی اجازت دیتی ہے بلکہ ان کا امر (۱) کرتی ہے اور واجب قرار دیتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص بیوی بچے رکھتا ہے تو اس کو اجازت نہیں دیتی کہ ان کی خدمت چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھے اور اگر کوئی ایسا کرے تو اسے معذور بھی قرار نہیں دیتی بلکہ گناہگار کہتی ہے اور سامان آسائش اور آرائش کا حکم یہ ہے کہ ان کو جائز کہتی ہے لیکن ان میں انہماک یعنی زیادت اشتغال (۲) کو پسند نہیں کرتی اس وجہ سے کہ نفس ہر شخص کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ وہ انہماک کی صورت میں انہیں تک بس نہیں کرے گا بلکہ اس حد تک پہنچائے گا جو ممنوع ہے یعنی فضولیات اور ممنوعات کی تو انہماک مذکور سے نبی اللہ (۳) ہوئی اور فی نفسہ رخصت ہے۔ ذرا غور سے کام لیجئے تو فوراً معلوم ہوگا کہ شریعت میں کما حقہ سہولت ہے جبکہ ضروریات اور آسائش اور آرائش سب کی اجازت ہے تو بجز فضولیات کے اور کون سی چیز باقی ہے جس کے اعتبار سے شریعت میں تنگی کہی جائے، فضولیات سے روکنا کسی عاقل کے نزدیک بھی تنگی نہیں ہو سکتی۔

شریعت بہت وسیع قانون ہے

میں تو کہتا ہوں ایسا کوئی قانون نہیں جیسی شریعت ہے، ممنوعات صرف وہ امور رہ گئے ہیں جو آدمی کو ہلاک کرتے ہیں تو کیا مہلکات (۴) سے منع کرنا بھی تنگی ہے۔ شریعت نے سب باتوں کی ایسی تفصیل بتلا دی ہے کہ آپ کو کچھ زیادہ سوچنا ہی نہیں پڑتا، آنکھ بند کر کے ایک راستہ پر چلے جائیں کہیں بھی دھوکا نہیں ہے اسی پر تو شکایت ہے کہ باوجود اتنی وسعت کے بھی حدود سے تجاوز کیا جا رہا ہے۔ ہم لوگ اتنا ہی نہیں کرتے کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے اتنا سوچ لیا کریں کہ یہ ضرورت میں داخل ہے یا آسائش میں یا آرائش میں یا ممنوعات میں۔ اگر اتنا بھی کریں کہ ممنوعات کو چھوڑ دیا کریں تو کوئی شکایت کا موقع نہ رہے لیکن صبح سے شام تک صرف دو چار دن ہی محاسبہ کر کے دیکھتے تو معلوم ہو جائے گا کہ کوئی دن ممنوعات سے خالی نہیں رہتا۔ آخر سوچے یہ

(۱) حکم (۲) زیادہ مشغول ہونے کو (۳) ان میں مشغولی کی ممانعت ایک غیر کی وجہ سے ہوئی (۴) ہلاک

ممنوعات کیوں صادر ہوئے؟ ہر فعل کا ایک منشا ہوتا ہے اس کا منشا سوا اس بات کے اور کیا ہے جس پر دیر سے تقریر ہو رہی ہے کہ ہم کو موت کا خیال نہیں اور ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھی ہوئی ہے کہ ابھی عمر بہت ہے۔ غرض قانون شرعی تو خاطر خواہ وسیع ہے یہ الزام اس پر نہیں آتا کہ اگر موت کو یاد کر کے شریعت کو دستور العمل بنالیں تو دنیاوی زندگی صحیح نہ ہو سکے گی شریعت تو اکثر چیزوں سے روکے گی میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ شریعت پر چلنے سے کوئی ضروری اور مفید کام بند نہیں ہو سکتا۔

فضولیات و ممنوعات کی بناء غفلت ہے

اس لیے بھی گمان غلط ہے کہ سب چیزیں چھوٹ جائیں گی البتہ جن چیزوں کے چھوڑنے کے لیے تذکر موت (۱) کو ذریعہ بنایا ہے یعنی فضولیات و ممنوعات جس کی بناء غفلت ہے، زوال غفلت سے ایسی چیزیں بے شک چھوٹ جاویں گی سو اس سے دنیا تو نہ چھوٹی اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ موت کی یاد اگر غالب ہوگئی تو اس کے غلبہ سے ضروریات بھی چھوٹ جاویں گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس غلبہ سے طاعات کا زیادہ اہتمام ہوگا اور ضروری دنیا کا کسب طاعت ہے، تو اس کا تو زیادہ اہتمام ہوگا نہ کہ وہ متروک ہو جاوے۔ البتہ دلچسپی بے شک نہ رہے گی۔ سو دلچسپی خود مطلوب نہیں نہ ضروری دنیا کا موقوف علیہ ہے بہر حال موت کی یاد سے ضروری تمدن نہیں مٹ سکتا نہ ضروری تمدن سے روکا جاسکتا ہے مگر یہ سو برس کے منصوبے کیسے تراشے جاتے ہیں۔ بس اس کو روکا جاتا ہے۔ ذرا اپنے حالات میں غور کر کے دیکھئے کہ سینکڑوں برس کی تیاریاں کی جاتی ہیں اور اس بے تمیزی کے ساتھ کہ اس میں حلال و حرام کچھ بھی نہیں دیکھا جاتا۔ باقی ضروری تمدن، سو میں نے اوپر بیان کر دیا کہ ضروریات کے لیے سامان کرنا مضائقہ نہیں بلکہ آسائش و آرائش تک بھی مضائقہ نہیں لیکن کوئی حد تو ہونی چاہئے، کوئی کام ایسا نہیں ہو سکتا جس کے لیے کوئی حد نہ ہو۔ دیکھئے کھانا کھانا کتنا ضروری ہے کہ موقوف علیہ حیات کا ہے (۲) اس کی بھی حد مقرر ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ مطلق العنان ہو کر کھائے اور جو کوئی اسے ٹو کے تو جواب

(۱) موت کی یاد (۲) اس پر زندگی موقوف ہے۔

میں یہ کہے تم کھانے جیسی ضروری چیز سے منع کرتے ہو تو بتلائیے آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔ یہی ناکہ ہم قدر ضرورت سے منع نہیں کرتے بلکہ حد سے آگے بڑھنے کو منع کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم بتلائے ہیضہ ہو کر مر جاؤ گے۔ میں کہتا ہوں کہ شریعت کو بھی ہم سے اسی بات کی شکایت ہے کہ ہم لوگ دنیا کے سامان میں قدر ضرورت و قدر راحت پر بس نہیں کرتے بلکہ ہم کو دنیا کا ہیضہ ہو گیا ہے جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

ہمارے، بعض آریوں سے بدتر حالات

ہم لوگوں نے اپنے منصوبوں کے لیے ایسی آزادی کیوں اختیار کر لی کہ اس کے لیے کوئی معیار اور طریقہ ہی نہیں رہا کوئی انداز تو ہونا چاہئے۔ دیکھئے میں اس شکایت کے لیے ایک نظیر دیتا ہوں جس سے بہت افسوس ہوگا بیمہ کمپنی جس کی بنا ہی طول اٹل پر ہے (۱) اور جس کو ہم لوگ جوا کہتے ہیں۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ جب کوئی بیمہ کراتا ہے تو کمپنی والے کیسی کیسی شرطیں کراتے ہیں، قوی کو دیکھتے ہیں ڈاکٹروں کو دکھاتے ہیں بہت سے اصول ہیں جن کی پابندی کے بعد بیمہ کرتے ہیں۔ دوسرے لفظ میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ بہت سی شرطوں اور قاعدوں کے ساتھ امتداد عمر کو تسلیم کرتے ہیں تو جس جماعت کے تمام افعال کی بناء امتداد عمر پر ہو ان کے واسطے تو کچھ قواعد ہوں اور تعجب کی بات ہے کہ وہ مسلمان جو امتداد عمر (۲) کے قائل بھی نہیں اور ان کو خیال باطل سمجھتے ہیں ان کے لیے کوئی بھی قاعدہ نہ ہو، ان کے افعال ایسے ممتد ہوں کہ قائلین امتداد کے افعال بھی اس کے برابر نہ ہو سکیں۔ حیرت کی بات ہے۔

میں کہتا ہوں اگر آپ ہر وقت کو وقت آخر بھی نہ سمجھیں تب بھی کسی قاعدے پر تو آپ کو چلنا چاہئے۔ طبیب یا ڈاکٹر سے اپنی عمر کا اندازہ کرائیے یا قوی سے اندازہ کر کے کام کیجئے پھر دنیا کو اتنا ہی پھیلائیے کہ طبیب یا ڈاکٹر کے بتلائے ہوئے وقت تک کے لیے کافی ہو اور دین کی یہی ذمہ داریاں اسی میں پوری کیجئے۔ شکایت تو اس کی ہے کہ اس طرف مطلق خیال ہی نہیں کسی نے اتنا ہی کر کے دکھایا ہوتا تب بھی ہم معذور

(۱) لمبی امیدیں باندھنے پر ہے (۲) طوالت عمر۔

سمجھتے۔ بیمہ کمپنی والے کو تو ایک طریقہ اور انداز کی ضرورت ہو اور دین دار کو ضرورت نہ ہو، تعجب کی بات ہے غفلت اسی کو کہتے ہیں کہ ایک بات مسلم ہے لیکن اس کے مقتضی پر عمل نہیں جیسے کسی کو خبر مل جائے کہ صبح کو میرے یہاں ڈاکہ پڑے گا اور منجر اعتماد کے قابل بھی ہو جس سے یقین ہو جائے کہ ضرور ایسا ہوگا لیکن اس خبر کے مقتضی پر عمل نہ ہو یعنی کوئی طریقہ اس کے انسداد^(۱) کا نہ کیا جائے اور پیر پھیلانے سوتے رہیں تو اس کو کیا کہتے ہیں، اس کا نام وہی غفلت ہے۔ بیمہ کمپنی کو ہم جواریوں کا مجمع کہتے ہیں لیکن ان میں قواعد کا انضباط اور اپنے تمام افعال کو دیکھ بھال اور تحدید کرنا کوئی کام بے سوچے سمجھے نہ کرنا جو قواعد مقرر کر لینا اس کا ذمہ دار رہنا بلفظ دیگر عہد کو پورا کرنا یہ لاکھ روپیہ کی بات ہے اور جو اپنے آپ کو دیندار کہیں ان میں کسی بات کی بھی پابندی نہیں نہ ان کے قول کا اعتبار نہ فعل کا کیونکہ جو بات تمام عیبوں کی اصل ہے وہ ان میں موجود ہے یعنی آزادی اور غفلت اور اس جواری میں ایک عیب ضرور ہے مگر تمام ہنروں کی اصل بھی موجود ہے یعنی پابندی اور اپنے افعال کی نگہداشت اور ثقہ لوگوں میں غفلت ہے اور اس جواری میں یقین^(۲) یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ افسوس کہ ہم ایک جواری کے برابر بھی نہیں۔ اس صفت میں وہ ہم سے اچھا ہے اسی مضمون میں عراقی کا شعر ہے:

تہمار خانہ رستم ہمہ پاکباز دیدم چو بہ صومعہ رسیدم ہمہ یافتم دغائی^(۳)
یہ شعر تھا تو اور مقام کا مگر یہاں خوب کھپ گیا۔ یعنی ایک خاص صفت پاکبازی کی عینی وفائے عہد تہار خانہ والوں میں ایسی پائی جو صومعہ والوں میں نہیں تھی۔ اب اس شعر پر کوئی اشکال نہیں رہا کیونکہ وہ ہر جہت سے ان کو پاکباز نہیں کہتے بلکہ صرف ایک صفت کے لحاظ سے پاکباز کہہ دیا ہے۔

تارک نماز میں ایک فعل کفار کا موجود ہے

اور اس حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر^(۴) پر سے بھی اشکال رفع ہو گیا۔

(۱) اس سے بچاؤ کا (۲) بیدار مغزی (۳) ”یعنی میں جب شراب خانہ میں گیا تو سب کو پاک باز یعنی شراب خانہ کے اصول کا پابند پایا اور جب عبادت خانہ میں گیا تو سب کو اصول کا غیر پابند پایا“ (۴) ”جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا“ کنز العمال: ۵۰۰۸۔

معنی یہ ہوئے کہ تارک صلوٰۃ میں ایک فعل کفار کا موجود ہے یعنی ترک صلوٰۃ کیونکہ یہ کام کفار ہی کا ہے اس وجہ سے اس پر کفر کا اطلاق فرما دیا اس سے تارک صلوٰۃ کا کافر ہونا لازم نہیں آیا جیسے جوار یوں میں ایک صفت پاک بازوں کی ہو جیسے اس کا پاکباز ہونا لازم نہیں آتا۔ اس میں شک نہیں کہ ہم لوگ باوجود دیندار کہلانے کے غفلت میں مبتلا ہیں جو ام الامراض ہے (۱)۔ نماز، روزہ سب کچھ کرتے ہیں مگر یہ غفلت ضرور ساتھ رہتی ہے۔ نماز میں ہیں مگر اس کا تصور کبھی بھی نہیں آتا کہ ایک دن تو مریں گے لاؤ نماز کو ٹھیک طور سے پڑھ لیں۔ ایمان سے کہنے اور دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لیجئے کہ کبھی بھی یہ خیال آتا ہے۔ آخر جب ایک بات یقینی ہے تو تمام عمر میں کبھی تو اس کا واہمہ گزرنا چاہئے تھا۔ بچپن میں تو اتنا بھی تھا کہ جنازہ کو دیکھ کر ڈرتے تھے اب جنازہ کو دیکھ کر بھی خوف نہیں ہوتا۔ ہماری حالت بتاتی ہے کہ ہمارے دل میں یہ خیال اچھی طرح ہے مرکز ہے کہ یہ چار پائی اور گڑھا اور یہ کفن اس مرنے والے کے لیے تھا، ہم اس سے مستغنی ہیں۔

جنازہ کی موجودگی میں غفلت

جنازہ سامنے ہے اور دنیا کے بکھیرے زبان پر ہیں اور جو اس سے قربت رکھتے ہیں ان کو تو سب سے بڑی فکر یہ ہے کہ میراث لے لیں۔ گو معلوم ہے کہ میراث فرائض (۲) کے موافق بٹے گی مگر دل نہیں مانتا اور یہ فکر ہے کہ جتنا ہاتھ لگے دبا لو، اس کی حق تعالیٰ نے بھی شکایت فرمائی ہے۔ وَتَأْكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْلًا لَّبَّاسًا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ (۳) جن کو کوئی قربت نہیں ان کو اگر اور کچھ شغل نہ ہو تو کچھ ہی کے مقدمے لے بیٹھتے ہیں جن کو مقدمہ سے بھی مس نہیں وہ تیری میری شکایت غیبت ہی شروع کر دیتے ہیں کوئی پوچھے کہ ایک بڑا سنگین مقدمہ تو سامنے موجود ہے اس کو دیکھ کر کچھ اپنی حالت تو سنبھالی ہوتی دیکھئے جب کسی کو پھانسی ہوتی ہے تو دیکھنے والے کانپتے ہیں حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ ان پر کوئی آفت آنے والی نہیں۔

(۱) تمام امراض کی اصل (۲) حصوں کے مطابق (۳) ”تم میراث کا مال سیٹھ کر کھا جاتے ہو اور مال سے تم لوگ بہت ہی محبت رکھتے ہو“ سورۃ الفجر: ۸۹/۲۰۔

جنازہ سے دُنیوی و دینی حصول عبرت کی ضرورت

اسی طرح جب مردہ سامنے رکھا ہو تو کیا باعتبار دنیا کے اور کیا باعتبار آخرت کے سب طرح سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ دنیا کے اعتبار سے تو اس طرح کہ یہ ایک ہمارا ہم جنس ہی ہے دنیا میں اس کے یہ تعلقات تھے بیوی رکھتا تھا، بچے رکھتا تھا دوست احباب سے محبت کا تعلق تھا بہت سے لمبے چوڑے کام اس نے شروع کر رکھے تھے۔ مگر ایک موت نے سب تعلقات اور سب کاموں کا اور ہزاروں آرزوؤں کا خون کر دیا جس عورت کو اس نے بیوہ چھوڑا اور جن بچوں کو یتیم چھوڑا اور جن احباب کا ہمیشہ منقص (مکدر) کیا وہ سب اسے یاد کریں گے اور دھاڑیں مار مار کر روئیں گے مگر اس کو جواب دینے کی بھی بلکہ ایک نظر دیکھ لینے کی بھی اجازت نہیں رہی تو ایسی چیزوں پر کیا نظر ڈالنا جو اس طرح سے چھوڑ دی جائیں گی۔ یہ وہ خیال ہے کہ بعض ایسے لوگوں نے جن کو دین سے مس بھی نہ تھا اس خیال سے دنیا کو چھوڑ دیا اور جنگل اور پہاڑ اختیار کر لیا اور آخرت کے اعتبار سے اس طرح کہ یہ بھی ایک ہمارا ہم جنس ہے جس کے عمل آج ختم ہو گئے، حق تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا تھا اور اتنی عمر دی تھی جن اوامر و نواہی سے اس کو مخاطب کیا تھا۔ معلوم نہیں کتنوں کی تکمیل کی اور کتنوں سے قاصر رہا۔ ظاہر یہ ہے کہ بہت سے کاموں میں قاصر رہا۔ اب نہ معلوم حق تعالیٰ کا معاملہ اس کے ساتھ کیا ہوگا، یہ مسلم ہے کہ شانِ رحمت غالب ہے لیکن اگر محاسبہ کے وقت جواب طلب فرماویں تو یہ کیا کہے گا۔ یہی بات ہم کو بھی پیش آتی ہے بلکہ اتنا اور اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنی بری بھلی عمر کاٹ کر ظاہراً ایمان کے ساتھ رخصت ہو گیا ہم کو یہی معلوم نہیں کہ کیا کیا باتیں پیش آئیں اور خاتمے کے وقت کیا حالت ہو۔ صاحبو یہ خیال ایسا ہے کہ اگر مومن کے دل میں جھوٹ موٹ بھی گزر جائے تو سلگ اٹھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبر پر رونے کا سبب

دیکھئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور جلیل القدر صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دامادی کا دوہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اسی

وجہ سے ذوالنورین مشہور ہیں جب آپ کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی۔ جب یہ قصہ حدیث میں آتا ہے تو طالب علم پوچھا کرتے ہیں کہ اس قدر رونے کی اور خوف کی کیا وجہ تھی بلکہ بعض بے ہودہ اور فلسفی مذاق رکھنے والے طالب علم تو یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ اس سے تو نعوذ باللہ حضرت عثمانؓ کے ایمان اور تصدیق میں شبہ ہوتا ہے کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے ناجی اور جنتی ہونے کی بشارت سن چکے تھے پھر اس قدر رونا کیوں؟ سوائے اس کے کہ اس خبر میں کچھ احتمال ہے۔ ایسے احمقوں کا جواب زبان سے نہیں دینا چاہئے بلکہ ان کو پھانسی گھر میں کھڑا کر دینا چاہئے اور بقسم پوچھنا چاہئے کہ پھانسی والے کو دیکھ کر تمہارا قلب اپنی حالت پر ہے یا نہیں؟ بس اس وقت اس کو اس شبہ کا جواب کافی مل جائے گا کہ باوجود اپنے اوپر یہ خطرہ نہ ہونے کے دل کا نپتا ہے کیونکہ وہ صورت اور موقع ہی ایسا ہے۔ تو اگر حضرت عثمانؓ کا دل باوجود نجات کے یقین ہونے کے قبر کے احوال دیکھ کر کانپتا ہو تو کیا تعجب ہے۔ یہ ان کی غایت خوف اور تصدیق بالاخبار الواردہ (۱) کی دلیل ہے۔ نہ معلوم ہم لوگوں کو جنازہ دیکھ کر کیوں ہیبت نہیں ہوتی جبکہ نجات کی خبر تو کیا اُمید بھی ہونا مشکل ہے۔

قلب کے بے حس ہونے کا سبب

بات یہ ہے کہ یہ خیال نہیں آتا بلکہ وہی خیال جوش مارتے ہیں جن کا ہر وقت مشغلہ ہے حالانکہ ان سے کہا جاسکتا ہے کہ اپنے نفع کا خیال نہ سہی اس بے چارے میت کی ہمدردی کے واسطے سہی اتنی دیر جو خالی بیٹھے رہو گے جس میں وقت کاٹنے کے لیے تم مقدّمے اور غیبتیں شروع کرتے ہو اس میں کچھ کلمہ کلام کوئی سپارہ یا سورت یا اللہ کا نام ہی پڑھ کر اسے بخش دو تو اس کا کچھ زاوراہ ہو جائے جس کا وہ اس وقت حد درجہ محتاج ہے کیونکہ حدیث میں ہے المیت کالغریق یعنی مردہ ڈوبنے والے کی طرح ہے کہ تنکے کا سہارا دیکھتا ہے، زبان تمہارے قبضہ میں ہے اور اس کے قبضہ سے نکل چکی اس کی قدر کوئی میت سے پوچھے وہ بے چارہ تمنا کرتا ہوگا کہ اتنی دیر کے لیے حیات مجھ کو پھر دے

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ خبروں کے یقینی ہونے کی دلیل ہے۔

دی جائے کہ ایک دفعہ اللہ کہہ لوں آپ جو اتنا وقت ان فضولیات میں کھور ہے ہیں اس کی حسرت کوئی مردہ سے پوچھے کہ اس کی روح کیا کہتی ہوگی کہ زبان ان کے قبضہ میں ہے مگر باوجود تعلقات، نسب اور محبت وغیرہ کے ان کی زبان نہیں نکلتی کہ کچھ دیر اللہ کر لیں اور اس کی یہ حالت ہے کہ سامان تذکرہ موجود ہے اور پھر بھی تذکرہ نہیں ہوتا تو اس کی کیا امید ہے کہ بلا سامان موجود ہوئے یہ تصور کریں گے کہ ایک دن ہم بھی مریں گے اور یہ بات ہمارے سب آحاد میں (۱) مشترک ہے۔ بچوں کو تو حس ہی نہیں جوانوں کے دماغ میں یہ سیایا ہوا ہے کہ ابھی ایک درجہ عمر کا اور باقی ہے بوڑھوں کو گو یہ بات حاصل نہیں مگر غفلت ان کی بھی جوانوں سے کم نہیں مردوں کی بھی یہی حالت ہے اور عورتوں کی بھی یہی حالت ہے۔

عورتوں کا کوسنا بے صبری کی دلیل ہے

ہاں تکلیف کے وقت موت کو یاد کرتے ہیں کہ اللہ اس تکلیف سے تو اٹھالے، بعض پڑھ لکھوں کو اس میں شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ تمنائے موت ہے اور تمنائے موت میں کیا حرج ہے؟ چنانچہ بعض اہل اللہ سے منقول ہے جیسا ایک صاحب کہتے ہیں:

خرم آں روز کز ایں منزل ویراں بروم راحت جان طلسم واز پی جانان بروم (۲)
اور حدیث میں آیا ہے: (من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ) (۳) اس سے

صاف ظاہر ہے کہ موت کی تمنا کوئی چیز نہیں بلکہ مستحسن ہے اس شبہ کا حل یہ ہے کہ یہ تمنائے موت نہیں ہے بلکہ حقیقت اس کی معصیت کی ناگواری ہے۔ ضعیف طبیعتوں کی بلکہ عام طور سے انسانی طبیعت کی خاصیت ہے کہ نفع عاجل کے سامنے آجل کا (۴) خیال نہیں کرتا اسی طرح ضرر عاجل کا دفعیہ (۵) جلد چاہتا ہے خواہ ضرر آجل (۶) اس سے بھی زیادہ لازم آجائے۔ دیکھئے تکلیف کے وقت آدمی خود کشی کر لیتا ہے حالانکہ موت

(۱) سب افراد میں (۲) ”جس دن دنیا سے کوچ کروں وہ دن بہت اچھا ہے جان محبوب حقیقی پر قربان کروں اور خوش و خرم کوچ کروں“ (حافظ) (۳) ”جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند فرماتے ہیں“، الصبح للظہار: ۸۰ / ۱۳۳ (۴) نفع نقد کے سامنے ادھار کا خیال نہیں کرتا (۵) فوری نقصان کو دور کرنا چاہتا ہے (۶) انجام کار اس سے بھی زیادہ نقصان ہو جائے۔

والمعد الموت ایسی چیز ہے کہ اس تکلیف سے بدرجہا زیادہ ہو لیکن اس خیال سے کہ یہ موجودہ کلفت (۱) رفع ہو جائے اس کا ارتکاب بھی کر بیٹھتا ہے۔ ایسے ہی یہ کہنا کہ اللہ اٹھالے اس وجہ سے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے سامنے جانے کی ان کو تمنا ہے بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے یہاں جا کر جوتیاں ہی پڑیں گی کیونکہ عملی حالت اچھی نہیں مگر ان جوتیوں کا خیال نہیں کرتے اور موجودہ مصیبت سے اخلاص چاہتے ہیں۔ یہ ہے حقیقت اس تمنائے موت کی جو بعض لوگ مصیبت کے وقت کیا کرتے ہیں نہ تمنائے موت ہے نہ کچھ ہے بلکہ کراہت، مصیبت اور بے صبری ہے جو شرعاً مذموم ہے (۲) ورنہ میں تو کہتا ہوں کہ حیات ایسی پیاری اور موت ایسی ناگوار چیز ہے کہ اگر ان کو کوئی چیز ایسی مل جاوے جس کو کوئی جھوٹ موٹ کہہ دے کہ یہ اکسیر ہے جس کے کھانے کے بعد موت نہیں آئے گی تو یہ تمنا چھوڑ کر اس کو فوراً کھالیں گے باوجودیکہ دل اندر سے اس کی تکذیب بھی کرتا ہوگا کہ موت کی بھی کوئی دوا ہو سکتی ہے لیکن احتیاطاً ہی کھالیں گے۔

ایک بڑی بی بی

ہمارے یہاں ایک بڑھیا کی ایک لڑکی سے تکرار ہوئی۔ لڑکی نے کہا اللہ کرے تُو مرجا۔ تو بڑھیا کو بڑا ناگوار ہوا، رونے لگی اور گھر والوں سے شکایت کی کہ یہ لڑکی مجھ کو کہتی ہے تُو یوں ہو جا (مرنے کا نام نہیں لیا) اے اللہ! سنیو مت حالانکہ وہ اتنی بوڑھی تھی کہ کمر تک جھک گئی تھی۔ مگر پھر بھی اسے زندگی کی تمنا اور اُمید اور موت سے نفرت و کراہت تھی۔ خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: **يَوْمَ أَحْذَهُمْ لَوْ يَعْلَمُ أَلْفَ مَلَكَةٍ** (یعنی مشرکین میں سے بعض لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہزار برس کی عمر ہو۔ حق تعالیٰ نے تو حالت کفار کی نقل فرمائی ہے مگر افسوس یہ ہم لوگوں میں بھی موجود ہے۔ دیکھئے جب کسی کو دعا دیتے ہیں تو یہ کہ ہزار برس جنے۔ اس جملہ میں ہزار کا لفظ بھی تحدید کے لیے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ عمر طبعی میں بھی نہ مرنا، چونکہ اس سے زیادہ بلکہ اتنی بھی کہیں عمر طبعی نہیں ہے۔ اس واسطے ہزار کے لفظ کو اختیار کیا ہے۔ اگر اس

سے بھی زیادہ زمانہ عمر طبعی کا ہو تو اور آگے کی دعا دیتے۔ حالت یہ ہے کہ مرنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ خیر تمنائے موت تو اولیاء اللہ کا کام ہے۔ ہم لوگ تمنانہ کرتے مگر کبھی سوچتے تو، کہ ہمیں موت آئے گی، بلکہ ہماری یہ حالت ہے کہ اگر موت کا خیال بھی آجاوے تو ڈرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ڈاکٹر کہہ دے کہ تم دس برس میں مر جاؤ گے۔ اس سے پہلے نہ مرو گے تو ابھی ہول (۱) سوار ہو جائے۔ یہ غفلت ہے کہ میعاد موت کا تصور بھی نہیں کرتے۔ اب غور کر لیجئے کہ آپ کی اس حالت سے ان لوگوں کی حالت جن کو آپ جواری کہتے ہیں یعنی بیمہ کمپنی والے اچھی ہے یا نہیں۔ وہ ہر کام سوچ کر کرتے ہیں اور ان کے سارے کام موت ہی کے متعلق ہیں۔ مگر اس کی مدت کا اندازہ کر کے معاملہ کرتے ہیں اور ہم لوگ باوجود اس بات کے جاننے کے کہ ہمارے کام بھی سارے موت ہی تک ہیں اندازہ کر کے بھی کام نہیں کرتے، بلکہ ابدالآباد کا انتظام کرتے ہیں۔ اس فضیلت کے لحاظ سے تو ان کے پیر چومنے چاہئیں۔

جنید بغدادی رحمہ اللہ کا چور کے پاؤں چومنے کا سبب

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے (جو عارف ہوتا ہے اس کو بری بات میں بھی اچھی بات مل جاتی ہے) کہ انہوں نے ایک چور کو دیکھا کہ سولی پر چڑھا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے کہا یہ وہ شخص ہے جس نے ایک دفعہ چوری کی، اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، دوبارہ کی تو پیر کاٹ دیا گیا، تیسری اور چوتھی مرتبہ میں دوسرا ہاتھ اور پیر بھی کاٹ دیئے گئے مگر کم بخت پھر بھی باز نہ آیا۔ پانچویں مرتبہ بھی چوری کی۔ بادشاہ نے تنگ آکر سولی کا حکم دے دیا۔ آپؑ نے اس کے پیر چوم لئے۔ لوگوں نے کہا حضرت ایسے فاسق کے ساتھ یہ برتاؤ؟ آپؑ نے فرمایا میں اس کے پیر نہیں چومتا بلکہ اس کی استقامت کے پیر چومتا ہوں، کیونکہ اس نے وہ عمل کیا۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید (۲)

اس نے جان دی مگر آن نہ دی، کاش ہم طریق حق پر ایسے ہی مستقیم ہو جائیں۔

(۱) خوف (۲) ”ہاتھ طلب سے نہ روکوں گا جب تک میرا کام پورا نہ ہو جائے“ (حافظ)۔

دیکھیے جس کو حق تعالیٰ نے نظر دی ہے وہ برائی کے اندر سے بھی بھلائی نکال لیتا ہے۔ ہم لوگوں کی نظر نہیں ہے، اس واسطے دوسروں کے تو عیب چھاننتے پھرتے ہیں، کسی کو جواری کہتے ہیں کسی کو شہ باز اور اگر نظر ہو تو پہلے اپنے عیب کو دیکھیں۔ اس وقت معلوم ہو کہ ہماری حالت ان جواویوں سے بھی زیادہ گری ہوئی ہے اور ان جواویوں کو اس بات میں اپنا امام بنالیں اور پیر چوم لیں کہ ان میں غفلت نہیں۔

بڈھوں کا یہ لفظ کہ ہم چراغ سحری ہیں صرف زبان ہی پر ہے

غرض ہم لوگ موت سے بالکل غافل ہیں۔ کیا بچے اور کیا جواں اور کیا بوڑھے، البتہ بوڑھے تو بطور محاورہ کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو چراغ سحری ہیں مگر یہ صرف لفظ ہی لفظ ہے جو زبان پر ہے اور قلب اس سے خالی ہے۔ غور کر کے دیکھئے تو بڈھوں کو جوانوں سے زیادہ دنیا کی ہوس ہے۔ اس لفظ کو سن کر جوانوں پر ایک عجیب بے فکری کا اثر ہوتا ہے کہ خیر ہم تو چراغ سحری نہیں ہیں، سحر تک روشن رہیں گے مگر ایک جوان بزرگ نے اس لفظ کے جواب میں خوب کہا۔ کسی بڈھے نے ان کے سامنے کہا تھا کہ ہم تو چراغ سحری ہیں۔ کہا حضرت! آپ ساری رات جل تولئے۔ ہم تو چراغ شام ہیں، ایک جھونکے میں ختم، کہ ایک رات بھی جلنے نہ پائے۔ یہ لطیفہ مجھے بہت پسند آیا۔ بہر حال بڈھوں کا یہ کہنا صرف ایک مہذب لفظ ہے جو بلا عملی ثبوت کے کچھ کارآمد نہیں۔

تفکر موت کسی کام کا مانع نہیں

وہ یہ لفظ بھی غفلت کے ساتھ کہتے ہیں، ورنہ اگر ان کے دل میں یہ آجاوے کہ ہم چراغ سحری ہیں تو بے چینی ہو جائے اور اسکی عملی حالت بتا دے کہ یہ شخص بے چین ہے اور اپنے کو چراغ سحری سمجھ رہا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ کھانا پینا، دکانداری سب چھوڑ دو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ غفلت اور خواب خرگوش کو دماغ سے نکالے اور بے چین ہو۔ اس پر لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر دل میں اطمینان نہ ہو تو دنیا کے کام کیسے چلیں۔ اس کا ایک بہت موٹا سا جواب یہ ہے کہ جو لوگ اس خیال کو رکھتے ہیں اور بے چین رہتے ہیں ان کا کونسا کام بند ہے۔ ایک زندہ مثال، بہت اچھی یاد آئی جس سے اچھی

طرح واضح ہو جائے گا کہ دلی بے چینی اور دل برداسگی اور موت کی یاد کسی ضروری کام کو مانع نہیں۔ وہ زندہ مثال یہ ہے کہ طاعون اور ہیضہ کے زمانے سب لوگوں نے دیکھ لیے ہیں، جس زمانہ میں طاعون ہیضہ ہوتا ہے تو کون سا کام بند ہو جاتا ہے۔ انصاف سے کہیے کہ کونسا کام بند ہو گیا تھا؟ کیا کھانا پینا پہننا بیوی بچے چھوٹ گئے تھے۔ کوئی چیز بھی نہیں چھوٹی تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ دل کسی وقت کسی چیز میں نہیں لگتا تھا۔ دنیا کے سب کام برابر ہوتے تھے مگر دل پر ہر وقت موت سوار تھی۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسيت فلا تحدث

نفسك بالصباح (۱) یعنی جب صبح ہو تو شام کے منصوبے مت لگاؤ اور جب شام ہو تو صبح کے منصوبے مت سوچو۔ یہ تعلیم اہل ظاہر کے دل میں نہیں بیٹھتی اور طرح طرح کے اشکال پیش کرتے ہیں مگر خدا بھلا کرے طاعون کا (مگر لاوے نہیں جہاں ہو وہیں خوش رہے) اس نے سب اشکال رفع کر دیئے۔ طاعون سے سب میں یہ حالت پیدا ہو گئی تھی کہ صبح کو ملتے تو شام کی امید نہیں، شام کو ملتے تو صبح کی امید نہیں۔ ہر کس ونا کس کی طبیعت پر ہر اس چھایا ہوا، نہ کھانے میں مزہ نہ پینے میں مزہ۔ لمبے چوڑے منصوبے بلکہ معاملات میں تخفیف، سود لینے والوں نے قرض دینا بند کر دیا خدا جانے اصل بھی وصول ہوا یا نہیں۔ میں اس کو زیادہ طول نہیں دیتا ایک زندہ نظیر پیش کر کے بتلاتا ہوں کہ بس زمانہ طاعون کے برابر ہر اس پیدا کر لو، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں اس مادہ طاعون میں سارے اشکالات کا دفعیہ عملی طور پر دیکھ لیا اب تذکر موت کے مضمون پر بھی کوئی اشکال رہا اپنی ذات میں تجربہ ہو گیا کہ امور متضاد اکٹھے تھے جس تضاد کے اجتماع سے اشکال کیا جاتا تھا۔

قطع عن الدنيا اور تحصیل معاش متضاد نہیں

وہ خود اپنی آنکھوں سے مجتمع دیکھ لیا معاملات اور دنیا سے یکسوئی بھی تھی اور دنیا داری بھی تھی۔ فرمائیے کون سا کام آپ نے چھوڑ دیا تھا بلکہ کون سا کام کر دیا تھا یا گاڑھا گزی پہننا شروع کر دیا یا برف پینا چھوڑ دیا تھا یا شادی بیاہ بند ہو گئے تھے یا تجارتیں روک دی گئی تھیں یا کپے مکانوں کو چھوڑ کر جھونپڑے اختیار کر لئے تھے۔ یہ کچھ

بھی نہیں ہوا تھا۔ سب کام بدستور سابق تھے مگر ساتھ ہی اس کے بے چینی اور یاس بھی تھی عملی اور واقعی طور پر معلوم ہو گیا کہ قطع عن الدنیا اور تحصیل معاش دونوں چیزیں متضاد نہیں ورنہ جمع کیسے ہوتے ہیں۔ یہی رائے دیتا ہوں کہ ایسی حالت پیدا کر لی جائے اور یہ نہ سمجھئے کہ اس سے دنیا کے کام بند ہو جائیں گے بلکہ اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اس سے خود دنیا بھی زیادہ اور اچھی صورت سے حاصل ہوگی کیونکہ آفات کم آئیں گی اس واسطے کہ جملہ آفات کا اصل الاصول حب دنیا اور حب مال ہے (۱) اگر یہ حالت ایک بہت بڑے مجمع کے سب آحاد (۲) میں پیدا ہو جائے اور کسی میں جب دنیا نہ رہے یا کم ہو جائے تو بے کھلے زندگی بسر کریں۔ چوری، ڈاکہ، بے ایمانی، حق تلفی کچھ بھی نہ رہے تو بتلائیے ان دنیا داروں کے ہر کام کو کتنی ترقی ہوئی۔ یہ ایسا گر ہے کہ گواہل دنیا اس کو نہ مانیں مگر عقل سلیم تسلیم کرتی ہے اور تسلیم کیسے نہ کرے واقعات اس کے مؤید ہیں۔ حضرات صحابہ کو ہمیشہ موت پیش نظر تھی، پھر تاریخ سے ان کی دنیوی ترقی کا حاصل معلوم کر لیجئے۔

فکر موت کا اثر

فکر پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور یاس و ہراس، طاعون کے زمانہ کا سامنا ہونا چاہئے۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ گناہ چھوٹ جاویں گے اور قلب میں سلامتی پیدا ہو جائے گی جتنا یاس و ہراس (۳) اور جتنی سلامتی ہوا اتنے ہی گناہ چھوٹ جائیں گے، اگر کامل ہو تو کل گناہ، ورنہ بقدر اس کے اندازہ کر دیکھئے طاعون کے زمانہ میں عوام پر بھی یہ اثر ہوتا ہے کہ کم سے کم نماز پڑھنے لگتے ہیں اخلاق میں نرمی آ جاتی ہے، کوئی چار باتیں بھی کہہ لے تو خاموش ہو جاتے ہیں۔

قطع عن الدنیا کی مثال

دوسری مثال لیجئے، کسی کا بیٹا مر گیا ہو تو اس کا کوئی کام بند نہیں ہوتا مگر ایسا مضحل (۴) ہو جاتا ہے کہ کسی کام کو دل نہیں چاہتا گویا بالکل ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ کھاتا پیتا بھی ہے، بولتا ہے، ہنستا بھی ہے مگر سب تلخ۔ پہلے کی حالت میں اور اس حالت میں بڑا

(۱) دنیا اور مال کی محبت ہے (۲) سب افراد (۳) جتنی مایوسی اور خوف ہوگا (۴) لاغر۔

فرق ہوتا ہے۔ کھل کر بات نہیں کرتا زیادہ بولتا نہیں بلکہ اگر کوئی زیادہ بات کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ارے بھائی کیوں دق کیا (۱) چھوٹوں بڑوں سب کو بابا اور بھائی بتاتا ہے، دیکھئے سب کام دنیا کے ہوتے ہیں مگر کس طرح، جب اور کام دنیا کے کم ہو جاتے ہیں تو گناہ بھی کم و بیش کم ہو جاتے ہیں اور آخرت کی فکر ہونے لگتی ہے اگر کبھی کسی اہل علم کی صحبت پائی ہے اور احکام شرعیہ کان پڑے ہوئے ہیں تو سب گناہ چھوٹ جاتے ہیں۔ دیکھئے نظیر دے کر بتلادیا گیا کہ ترک دنیا اور معیشت دنیا دونوں جمع ہو سکتی ہیں۔ پس جیسے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے ایسے ہی قطع التفات الی الدنیا (۲) اور فکر آخرت تمام نیکیوں کی اصل ہے، فکر موت کا اثر ہے کہ آدمی گناہ چھوڑ دے گا اگر کچھ روزہ نماز ذمہ ہے تو اس کی قضا یا عدم قدرت کی حالت میں فدیہ کی فکر ہوگی اور قرض ہے تو اس کے ادا کی فکر ہوگی اور عفو تقصیرات (۳) کی کرائے گا۔

تفکر موت کا نتیجہ

امر مشترک یہ ہے کہ گناہوں کی تقلیل ہو جائے گی یا بالکل ترک ہو جائیں گے اور دوسرا اثر یہ ہوگا کہ مباحات میں تقلیل کرے گا۔ مثلاً کسی کو یقین ہو جائے کہ میں دو مہینے میں مرجاؤں گا تو تفاخر اور دھوم دھام کے کام ہرگز نہ کرے گا کیونکہ یہ کام دل کی تازگی کے ہیں۔ لذیذ کھانوں کو اگرچہ چھوڑے گا نہیں مگر ان سے دلچسپی بھی نہ ہوگی صرف دفع الوقتی (۴) کرے گا صرف ضرورت پر نظر رہے گی۔ آپ کو اتنی تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں بالکل ترک دنیا کو نہیں کہتا بلکہ اس میں انہماک کو منع کرتا ہوں دنیا کی عمر کو پورا کر لو اور اس میں بھی یہ نہیں کہ تکلیف اٹھاؤ، ہاں تقلیل ضرور کرو اور دنیا سے دلچسپی نہ رکھو۔ دیکھئے طاعون کے زمانہ میں یا اس دوسری مثال میں جس کا لڑکا مر گیا ہو کون سا ضروری کام نہ رہا تھا کیا سردی گرمی کی حس باقی نہیں رہی تھی یا کھانے پینے کی حاجت کا احساس نہ رہا تھا مگر یہ ضرور ہوا کہ یہ پرواہ نہ رہی تھی کہ کون سا لحاف ہو اس کا کوٹ (۵) بد صورت ہے یا کسی قدر میلا ہے یا لحاف اوڑھنا خلاف شان ہے۔ شال ہاف چاہئے (۶)

(۱) کیوں پریشان کیا (۲) دنیاوی امور کی طرف ملتفت ہونے سے بچنا (۳) کوتاہیوں کی معافی چاہے گا (۴) وقتی ضرورت پوری کریگا (۵) انگریزی گرم لباس (۶) گرم چادر۔

کھانا کھاتے وقت یہ اہتمام نہیں رہا کہ چینی کے برتنوں میں ہو اور اقسام اقسام کے کھانے ہوں جیسے الٹا سیدھا مل جائے پیٹ بھر لیا۔ خلاصہ یہ کہ نخرے نہیں رہے باقی کام سب بدستور ہے پس اسی زمانہ کی سی زندگی ہونی چاہئے۔ لمبے چوڑے منصوبے سوچنا اور آرائش کے زیادہ سامان کرنا دھوم دھام کے کام کرنا تفاخر اور ریاء کرنا یہ سب بے فکری کے دلائل ہیں اور میں پورے اعتماد سے کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی کام بھی ان پر موقوف نہیں۔ یہ سب کام یقیناً ضرورت سے بہت زیادہ ہیں اور جب ہی ہو سکتے ہیں کہ جب آدمی موت کو بھول جائے۔ ان کو چھوڑ دینے میں کیا حرج ہے۔ خلاصہ تقریر یہ ہوا کہ ہر جزو عمر کو اخیر سمجھو نہ بایں معنی کہ کھانا، مکان، شادی بیاہ، ملنا جلنا چھوڑ دو، دنیا کے سارے کام کرو مگر مغموں اور مرجھائے ہوئے دل کے ساتھ، نہ کہ تازہ دل کی طرح اور یہ بھی مباحات میں ہے باقی معاصی (۱) کی تو کسی حال میں اجازت نہیں۔ نہ دل بستگی (۲) کے ساتھ نہ دل برداشتگی (۳) کے ساتھ اور شریعت مقدسہ نے اس سبب کی پوری پوری تفصیل فرمادی ہے۔

انہماک فی المباح کا نتیجہ

اچھے برے کام سب بتلادیئے ہیں سو یہ تو دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کام گناہ تو نہیں ہے۔ جب گناہ نہ ہو تو اس کی اجازت ہے اور شرعی کوئی فتویٰ اس پر نہ لگے گا اگر ہم لوگ اتنا بھی کر لیں تو بڑی ہمت ہے۔ اسی طرح اگر مباح مفضی الی المعصیت ہو جاوے (۴) کہ مباحات میں بھی نفس کو زیادہ آزادی دینے سے آدمی گناہ میں ضرور پڑ جاتا ہے اس واسطے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ جس کام کو گناہ کہا گیا ہو اس کے تو بالکل پاس نہ جائے اور جس کو شریعت میں مباح فرمایا گیا ہو اس میں مغل بال طبع نہ ہو جائے بلکہ تقلیل رکھے نہ اس وجہ سے کہ مباحات کوئی بری چیز ہیں بلکہ افشاء الی المعاصی (۵) کے خوف سے ان میں کمی کر دے۔

تقلیل مباح کی عادت ڈالنی چاہئے

الغرض مباحات میں تقلیل اور گناہوں میں ترک بس اس کی عادت کو لو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے حالات سے موازنہ کرو اور صبح سے شام تک کے ایک ایک فعل میں (۱) گناہوں کی (۲) کشادہ دلی کے ساتھ (۳) تنگ دلی کے ساتھ (۴) گناہ کی طرف لے جانے والا بن جائے (۵) گناہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے۔

غور کرو، پھر ان میں سے یہ دیکھو کہ کون سا فعل گناہ ہے اور کون سا مباح اور میں توسع کرتا ہوں کہ ان افعال میں بھی جواز قسم گناہ ہوں، غور کرو کہ کون سا بڑا گناہ ہے اور کون سا چھوٹا۔ بڑے گناہ تو ایک دم ترک کر دو وہ قلیل بھی ہیں اور میں یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ بڑا گناہ کوئی ایسا نہیں جس پر معیشت دنیا موقوف ہو یعنی ان کے چھوڑ دینے سے دنیا کا کوئی حرج ہرگز لازم نہیں آئے گا اور چھوٹے گناہ چونکہ بہت سے ہیں شاید ایک دم سے نہ چھوڑ سکو تو ان کو تھوڑے تھوڑے کر کے چھوڑ دو گو یہ بات میرے منہ سے نکلنے کی نہ تھی مگر خیر حق تعالیٰ معاف فرماویں بہ نیت اصلاح زبان پر آگئی کیونکہ جو شخص ایک دم سے سارے کام نہ چھوڑ سکے اس کی اصلاح تدریجاً ہی کی جاتی ہے اور ہم میں بعض ضعیف القلب لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر چھوٹے بڑے سب گناہوں کو ایک دم چھوڑ دیں تو بعض دفعہ اس سے کوئی تنگی پیش آتی ہے جس کا تحمل بوجہ ضعف قلب کے نہیں ہوتا اور اُکتا کر کہہ دیتے ہیں کہ ترک معاصی ہمارے بس کی نہیں جو کچھ ہو کرتے رہو۔ لیجئے پہلے تو تھوڑے ہی گناہ تھے اب سب ہی گناہوں میں پڑ گئے تو آپ خود ہی خیال کر سکتے ہیں کہ یہ چال اچھی ہے یا وہ چال۔

گناہوں کو بتدریج چھوڑنے کی مثال

دیکھئے کپڑے پر نجاست لگ جاتی ہے اور خشک ہو جاتی ہے تو اس کو پہلے پانی سے نرم کرتے ہیں اور ملتے ہیں اس میں کچھ دیر لگتی ہے مگر نجاست چھوٹ جاتی ہے اور اگر ایک دم چھڑانا چاہیں تو ممکن ہے کہ کپڑا بھی اس کے ساتھ پھٹ جائے۔ ممکن کا لفظ اس واسطے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے پاس کوئی ایسی ترکیب بھی ہو کہ ایک دم کپڑے پر سے نجاست چھوٹ جائے اور کپڑے پر کچھ ازار (۱) نہ آئے۔ چنانچہ ایسی صنعتیں بہت ہیں۔ بعض چیزوں کے دھبے ایسے ہوتے ہیں کہ کپڑے پر سے کسی طرح نہیں چھوٹتے لیکن جو کوئی اس کا اُتار جانتا ہے وہ اس کو کسی لاگ سے چھڑا دیتا ہے۔ علی ہذا ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ کسی کامل کے تصرف سے یا اپنی ہمت سے کسی نے اک دم سب گناہ چھوڑ دیئے ہیں تو ایسا شخص ترک میں تدریج کیوں کرے۔ باقی ضعفاً اگر تمام عمر میں

بھی گناہوں کو چھوڑ دیں تو بڑی کامیابی ہے۔ ایسوں کے لیے تدریجی چال بھی بسا غنیمت ہے یہ اس واسطے بیان کر دیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں چھوٹے گناہوں میں سے بعض کو منع کرتا ہوں اور بعض کی اجازت دیتا ہوں، تو یہ گناہ کی اجازت نہ ہوئی بلکہ سب گناہوں کے چھوڑنے کی ایک تدبیر ہے اور نہایت مفید تدبیر ہے۔ ضعیف آدمی اس چال سے چلنے میں کبھی نہ کبھی کامیابی حاصل کر رہی لیتا ہے اور ایک دم بوجھ پڑنے سے بعض اوقات ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان پر بعض اوقات ایک حالت کا غلبہ ہوتا ہے کہ شوق میں آکر بہت سی طاعات شروع کر دیں اور کل گناہوں سے یک دم تائب ہو گیا، پھر وہ شوق کی حالت رفع ہو جاتی ہے اور یہ شخص دنیا کے تعلقات میں پہلے سے پھنسا ہوا ہوتا ہے اس لیے سب گناہوں کو چھوڑنا اس وقت بہت بار معلوم ہوتا ہے اور وہ حالت اور وہ ذوق شوق کی حالت رفع ہو جاتی ہے۔ اور یہ شخص دنیا کے تعلقات میں پہلے سے پھنسا ہوا ہوتا ہے، اس لیے سب گناہوں کو چھوڑنا اس وقت بہت بار معلوم ہوتا ہے اور وہ حالت اور وہ ذوق و شوق اب رہا نہیں۔ تو جب یہ دیکھتا ہے کہ مجھ سے ترک تعلقات نہیں ہو سکتا پھر وہ دوبارہ ان تعلقات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اب تقلیل بھی نہیں کرتا اور بلا لحاظ چھوٹے اور بڑے اور مکروہ اور حرام کے سب میں پڑ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ترک دنیا ہمارے بس کا کام نہیں جس طرح کام چل رہا تھا چلنے دو بلکہ بعض وقت اس تو بہ پر پچھتا تا ہے کہ اس کی بدولت یہ تنگی پیش آئی۔

ترک گناہ پر پچھتا نا نہایت منکر حالت ہے

یہ حالت نہایت ہی منکر حالت ہے تو بہ نہ کرنا اتنا بڑا جرم نہ تھا جتنا کہ تو بہ کر کے پچھتا نا جرم ہے۔ آپ ہی بتائیے کہ ایسے شخص کے لیے سب گناہوں کو ایک دم چھوڑنا اچھا ہے یا تھوڑا تھوڑا چھوڑنا، اور ایسا ہم نے دیکھا ہے کہ تھوڑا تھوڑا چھوڑنے والا بالکل نیک اور صالح بن گیا ہے تو اگرچہ یہ میرے منہ سے نکلنے کی بات نہ تھی مگر کام کی بات ضرور ہے اور خدا را اس کے سمجھنے میں غلطی نہ کیجئے گا اور اس سے کسی گناہ کی اجازت اخذ نہ کیجئے گا اور میں ایک اور توسع کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک گناہ تو وہ ہے جس کے ترک سے کوئی دنیوی تکلیف ہوتی ہے جیسے ایک شخص جس کی آمدنی دس روپیہ ہے اور خرچ بیس روپیہ ہے

اس سے کہا جائے کہ مال حرام سے بچو تو فاقہ کی تکلیف برداشت کرنا اس کو مشکل ہے۔ گو یہ عذر ارتکاب محصیت کے لیے کافی نہیں مگر خیر میں اخار للعیسان اس کو عذر قرار دیتا ہے۔

گناہ بے لذت فوراً چھوڑنے کی ضرورت

لیکن وہ گناہ جس کے ترک میں تکلیف بھی نہیں ان کے نہ چھوڑنے کا کیا سبب اور وہ کون سی بات ہے جس کو ان کے لیے ایک دن کے واسطے بھی عذر کہا جائے جیسے داڑھی منڈانا، ٹخنوں سے نیچا پا جامہ پہننا، غیبت وغیرہ کرنا ان کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ بس یہ دوسری قسم کے گناہ ایک دم اور آج ہی چھوڑ دیجئے میں اس کو مخاطب بناتا ہوں جس کو اپنی اصلاح کی کچھ بھی فکر ہے مگر انفسوس آج کل جس کی بھی کافی کمی ہے اور مجھ کو بڑی شکایت اس کی بھی ہے کہ ہم لوگوں کو غور کرنے کی عادت بالکل نہیں رہی حالانکہ جو کوئی اپنی اصلاح کا طالب ہے عورت ہو یا مرد اس کے واسطے پہلی سیڑھی یہی ہے کہ تفکر کی عادت ڈالے۔

افعال کی دو قسمیں

اپنے تمام افعال میں غور کرے کہ کون سے اچھے ہیں اور کون سے برے، پھر ان بروں کی فہرست بنائے تو یہ افعال دو ہی قسم کے نکلیں گے ایک وہ ہوں گے جن کے چھوڑنے میں تکلیف ہے اور دوسرے وہ جن کے چھوڑنے میں تکلیف نہیں۔ سو اس دوسری قسم کو ایک دم الگ کرے کیونکہ ان کے واسطے کسی قسم کا عذر ہی نہیں اور یہ بھی نہیں ہو سکتا تو پھر کوئی دوسرا تو منہ میں لقمہ دینے کے لیے آنے سے رہا۔ آخر مکلف ہونا کیا معنی مثلاً میں کہتا ہوں کہ غیبت اور شیخی کے چھوڑنے میں کون سی تکلیف ہے مگر یہ بھی نہیں چھوڑا جاتا بالخصوص یہ شیخی کا مرض عورتوں میں تو بہت ہی ہے اور یہ عجیب فرقہ ہے جہاں مصالح کے سبب ضرورت ہے شیخی کی، (یعنی شیخی کی صورت کی) وہاں تو بے حس بن جاتے ہیں۔ ایک بی بی تھیں جو خود پانکٹی پر بیٹھی رہتیں اور ماما سرہانے بیٹھی رہتی حالانکہ عام طور پر نوکروں کے ساتھ ایسا برتاؤ ان کے دماغ کو تباہ کر دیتا ہے۔ ایک دفعہ ایک مجمع میں

میری مجلس میں ایک معمولی شخص صدر مقام پر بیٹھ گیا، میں نے اس کو اٹھادیا، جس میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک یہ کہ اس جگہ مستحقین موجود تھے جو بمصلحت وہاں بٹھائے جاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ شخص اس کا عادی ہوگا تو کہیں مار کھائے گا یہ اس شخص کی آبرو بچانے کی تدبیر ہے ممکن ہے کہ میری یہ توجیہات بہانہ نفس ہوں، میں تنزیہ (۱) نفس نہیں کرتا اور اپنے فعل کو خواہ مخواہ مستحسن نہیں کہتا۔ نفس کی شرارتیں ایسی پوشیدہ ہوتی ہیں کہ ہم جیسوں کو تو کیا بڑے بڑے مبصرین کو یہی بعض وقت دھوکہ ہو جاتا ہے اسی واسطے اکابر ہمیشہ اس سے ڈرتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی عصمت بیان کرنے کے بعد حالانکہ بالکل واقعی تھی یہ بھی فرمایا: وَمَا أَبْرَأُ نَفْسِي خَيْرِيتِ میری کچھ بھی ہو مگر ہر حال میں مصلحت اس میں ضرور ہے۔

شیخی عورتوں کی سرشت میں داخل ہے

عورتوں کے بڑے اختیارات زبان پر ہوتے ہیں جب ذرا سی بات پر اسی ماما کو دیدوں پھوٹی، خاک ملی چھاڑو ماری کہہ ڈالتی ہیں تو یہ تو واضح کیسی؟ اصل یہ ہے کہ تو واضح وغیرہ کچھ نہیں حقیقت اس کی بے حسی ہے کیونکہ تو وضع اور شیخی ضدین ہیں دونوں جمع نہیں ہو سکتیں، دیدوں پھوٹی کہنے کے وقت تو اس کو جوتی کے برابر بھی سمجھتیں جو کہ یقیناً شیخی ہے اور باوجود اس کے اس کو سرہانے بٹھاتی ہیں، جب شیخی موجود ہے تو اس کی ضد کیسے موجود ہو سکتی ہے تو ضرور اس سرہانے بٹھانے کی وجہ تو وضع کے سوا کچھ اور ہے اور وہ بجز بے حسی کے اور کیا ہے۔ کوئی کام بھی اپنے موقع پر نہیں۔ شیخی جس موقع پر کار آمد ہے یعنی حفظ مراتب میں وہاں اس کا ظہور نہیں ہوتا وہاں بے نفس بن جاتے ہیں۔ یہ بے نفسی نہیں بلکہ بے حسی اور بے تمیزی ہے اور جس موقع پر شیخی مذموم اور ممنوع ہے وہاں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ذمیمہ (۲) عورتوں کی تو گویا سرشت (۳) میں داخل ہے۔ اٹھنے میں بیٹھنے میں بولنے چالنے میں اور زیور میں تو ایسا اس شیخی کو نباہا ہے کہ اس کی بناؤں کی بناء پر وہ زیور بلا باجہ کا نہ پہنیں گی۔ باجہ میں فائدہ یہ ہے کہ جب کہیں جائیں تو پہلے سے مردوں عورتوں سب کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ہو جائے جب

(۱) اپنے نفس کی پاکیزگی نہیں بیان کرتا (۲) یہ برائی (۳) جبلت۔

کہیں جائیں گی تو ڈولی سے اترتے ہی گھر میں اطلاع کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ بیگم صاحبہ آئی ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ کون سے ملک کی بیگم ہیں یا یہ لفظ نواب بے ملک کا ترجمہ ہے وہاں پہنچ کر ایسی جگہ بیٹھیں گی کہ سب کی نظر ان پر پڑے۔ ہاتھ کان ضرور دکھلائیں گی۔ ہاتھ گوڈھکے ہوئے ہوں مگر گرمی کے بہانہ یا کسی ضرورت کے بہانے کھول کر ضرور دکھلائیں گی کہ ہمارے پاس اتنا زیور ہے اور اگر کوئی بی بی بہت ہی مہذب ہوئیں اور قسمت سے ہشتی زیور پڑی ہوئی ہیں اور دکھاوے اور شیخی کی مذمت ان کو یاد ہوئی تو خدا سلامت رکھے باریک کپڑوں کو وہ ان کے بلا ارادہ ہی سب بناؤ سنگار دکھلا دیتے ہیں اور اگر کسی کی نظر نہ بھی پڑی تو کھلی اٹھا کر کان تو دکھا ہی دیں گی جس سے اندازہ کیا جاوے کہ جب اتنا زیور ان کے کانوں میں ہے تو گھر میں روپیہ تو نہ معلوم کتنا ہوگا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

چاہے گھر میں خاک نہ ہو روپیہ کے بجائے چوہے ہی فلا بازیاں کھاتے پھرتے ہوں۔ یہ گناہ تو ہاتھ پیر سے کئے، پھر وہاں بیٹھتے ہی سوائے غیبت کے اور دوسرا مشغلہ ہی نہیں۔ ان عورتوں کو شیخی کے مواقع دو ملتے ہیں۔ خوشی کا اور ایک غمی کا، انہی دو موقعوں میں اجتماع ہوتا ہے۔

عورتوں کا اجتماع ہی خالی از مفاسد نہیں

اسی واسطے میں بلا ضرورت شرعی ان کا اجتماع ہی مناسب نہیں سمجھتا اور اگر اجتماع ہو بھی تو شیخی سے بچنے کے لیے ایک ترکیب میں نے مردوں کو سکھلائی ہے گو عورتیں اس سے بہت خفا ہوتی ہیں مگر وہ شیخی کا علاج ہے وہ ترکیب یہ ہے کہ عورتوں کو یہ تو مت کہو کہ جمع نہ ہوں یہ تو ہونا مشکل ہے اور اس میں وہ معذور بھی ہیں کیونکہ الجنس یحیل الی الجنس عورت کا دوسری بیبیوں سے ملنے کو کبھی تو جی چاہتا ہی ہے مگر یہ کرو کہ کہیں جاتے وقت کپڑے نہ بدلنے دیا کرو، اس کے لیے مردانہ حکومت سے کام لو اور جب کہیں جائیں تو سر پر کھڑے ہو کر مجبور کرو کہ کپڑے نہ بدلنے پائیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ گھر میں تو بھگنوں اور ماماؤں کی طرح رہیں اور ڈولی آتے ہی بن سنور کر بیگم صاحبہ بن

جائیں ہر چیز کی کوئی غایت اور غرض ہوتی ہے ان سے کوئی پوچھے کہ اچھے کپڑے پہننے کی غایت اور غرض کیا صرف غیروں کو دکھانا ہی ہے۔ تعجب ہے کہ جس کے واسطے یہ کپڑا بننا اور جس کے دام لگے اس کے سامنے تو کبھی نہ پہنا جائے اور غیروں کے واسطے پہنا جائے یہ باتیں ذرا شرم کی سی ہیں مگر ضرورت اصلاح کے لیے کہی جاتی ہیں۔ حیرت ہے کہ خاوند سے کبھی سیدھے منہ نہ بولیں کبھی اچھا کپڑا اس کے سامنے نہ پہنیں اور دوسروں کے گھروں میں جائیں تو شیریں زبان بھی بن جائیں اور کپڑے بھی ایک دوسری سے بڑے اچھے پہن کر جائیں، کام آویں غیروں کے اور دام لگیں خاوند کے، یہ کیا انصاف ہے اس قصص (۱) کی یہاں تک نوبت پہنچی ہے۔

ایک حکایت

ہمارے وطن میں ایک بی بی چرخہ کات رہی تھی اور اس زمانہ میں ان کی ساس مرگئی تھی تو کوئی عورت جو ان کے یہاں تعزیت کے لیے آئی آہٹ پاتے ہی چرخہ کو اٹھایا اور اندھے باؤلوں کی طرح ایک کوٹھری میں پھینک آئیں۔ کیواڑ بند کر دیئے تاکہ مہمان کو معلوم نہ ہو، کیونکہ پیسوں اوّل تو کیا آپس میں تمہیں اوروں کے گھر کی اور اوروں کو تمہارے گھر کی یہ خبر نہیں کہ یہ چرخہ کاتی ہے۔ دوسرے چرخہ کاتا جو ایسا عیب کیا ہی ہے جسے چھپانے کی ضرورت ہو۔ جب سے پیسوں نے اس قسم کی محنتیں چھوڑ دیں تندرستیاں خراب ہو گئیں ہمیں ہمیشہ دوا کا قدح (۲) منہ سے لگا رہتا ہے اور جن قوموں میں اب بھی ان کا رواج ہے دیکھو کیسی تندرست ہیں۔ خدا غارت کرے اس شیخی کو دین کا گناہ تو ہے ہی دنیاوی نتائج بھی اس کے ایسے ہیں کہ صحت جیسی چیز غارت کرے اس شیخی کو دین کا گناہ تو ہے ہی دنیاوی نتائج بھی اس کے ایسے ہیں کہ صحت جیسی چیز غارت ہو گئی۔ غرض مردوں سے میں کہتا ہوں کہ ان کی اس شیخی کو مٹانے کی یہ تدبیر کرو کہ کہیں جاتے وقت ان کو کپڑے نہ بدلنے دو، اور عورتیں بھی سن لیں کہ اگر کپڑے بالکل ہی میلے ہوں تو خیر بدل لو وہ بھی سادھے ورنہ ہرگز نہ بدلو۔ سیدھے سادھے کپڑوں میں مل آیا کرو، ملنے سے جو غرض ہے وہ اس صورت میں بھی حاصل ہوگی اور اخلاق کی درستی علاوہ برآں ذرا

کر کے دیکھو تو اس کے فوائد معلوم ہوں گے اور اگر یہ خیال ہو کہ اس میں ہماری حقارت ہوگی تو ایک جواب تو اس کا یہ ہے کہ نفس کی تو حقارت ہی ہونی چاہئے اور دوسرا جواب تسلی بخش یہ ہے کہ جب ایک بستی کی بستی میں یہ رواج ہو جائے گا کہ سیدھی سادھی طرح سے مل لیا کریں گے تو انگشت نمائی اور تحقیر بھی نہ رہے گی اور کیوں بیبیوں اگر ایک غریب عورت جو مزدور کی بی بی ہے وہ کہیں ٹھاٹ سامان سے بھی جاتی ہے حتیٰ کہ بیگم بھوپال ہی کیوں نہ بن جائے مگر جن بیبیوں کو اس کے گھر کی حالت معلوم ہے وہ تو یہی کہیں گی کہ نگوڑی (۱) مانگے کا کپڑا اور زیور پہن آئی ہے اس پر اتراتی ہے مگر پھر بھی اس تصنع میں ایسا عورتوں کا غلو ہوا ہے کہ اس تصنع کے اہتمام میں خاوند کی اچھی سے اچھی آمدنی بھی ان کو کافی نہیں ہوتی اور سب آمدنی لیکر مرد کو بے وقوف بنانا چاہتی ہیں جو مرد ان کی مرضی کے موافق چلے اور ان سے حساب کتاب نہ لے اور آنکھ بند کر کے خرچ کرنے دے وہ ان کے نزدیک بہت اچھا ہے۔ آپس میں بیٹھ کر فخر کرتی ہیں کہ میرے میاں تو ایسے ہیں کہ دے کر پوچھتے بھی نہیں کہ کہاں خرچ کیا۔ گویا جو مرد بالکل الو اور احمق ہو وہ ان کے نزدیک اچھا ہے اور جو منظم ہو اور دیکھ بھال کر خرچ کرے تو اس کو کہتی ہیں کہ ہمارے میاں بڑے جلا ہیں، بڑے ظالم ہیں۔ کیا محال ہے کہ ہم کبھی پیٹ بھر کر کھا بھی لیں۔ ہم تو اس کے راج میں کھانے پینے کو بھی ترس گئے۔ غرض ان کو ریاء اور سمعہ اور تفاخر میں (۲) آزاد چھوڑ دو جب تو خیر ہے ورنہ پھر منہ بھی سیدھا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ باتیں کس قدر معیوب ہیں جن کو دنیا کے عقلاء نے بھی عیب کہا ہے۔ کسی اخلاق کی کتاب کو اٹھا کر دیکھئے یہی لکھا ہوگا کہ ان عیبوں سے بچو، مگر یہ عیب ایسے مرکوز ہیں کہ کوئی بات بھی عورتوں کی ان سے خالی نہیں، ان کا دن رات تفاخر ہی میں گزرتا ہے۔

دین دار اور تعلیم یافتہ عورتوں میں بھی شیخی کا مرض ہے

خاوند پر تفاخر، جائیداد پر تفاخر، مکان پر تفاخر، نسب پر تفاخر، اور یہ مرض جاہل عورتوں تک محدود نہیں، لکھی پڑھی عورتوں میں بھی موجود ہے۔ حتیٰ کہ جو اپنے کو دین دار

(۱) غلمی، ناکارہ (۲) ریاء، دکھاوے اور فخر کرنے میں آزاد چھوڑ دو۔

اور عالم سمجھتی ہیں ان میں بھی موجود ہے مجموعوں میں بیٹھ کر کہتی ہیں میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھی ہے۔ میں نے جلالین شریف پڑھی ہے۔ ایک جگہ کی عورتیں بہت تعلیم یافتہ اور دیندار ہیں اور باعمل بھی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آج کل عمل بالذین کے معنی صرف نماز، روزہ کے رہ گئے ہیں باقی رہے اخلاق سوان کی طرف کسی کا یہ خیال بھی نہیں جاتا کہ ان کو بھی کچھ دین سے علاقہ ہے۔ خیر جو معنی بھی ہوں وہاں کی عورتیں بہت دیندار ہیں۔ ان عورتوں نے مجھ سے وعظ کی فرمائش کی تو مجھ کو بہت سوچنا پڑا کہ ان کو کس چیز کی اصلاح کی ضرورت ہے جس کا میں بیان کروں۔ بہت سوچ کر سمجھ میں آیا کہ اور ظاہری امراض ان میں نہ سہی مگر شینی اور فضول خرچی ان میں ضرور ہے۔ میں نے اسی کا وعظ کیا اس کو سن کر ان مستورات نے میرے پاس کہلا بھیجا کہ ہماری آج آنکھیں کھلیں اور مجھے یہ عیب اس طرح معلوم ہوا تھا کہ ہمارے یہاں وہ عورتیں ایک روز صبح سے شام تک رہیں اور یہی مشغلہ رہا۔ ایک کہتی تھی کہ میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھی ہے۔ دوسری کہتی تھی کہ میں نے شرح وقایہ پڑھی ہے۔ تیسری کہتی تھی میں نے جلالین شریف پڑھی ہے۔ میں نے دل میں دعا کی اے اللہ ان کے منہ سے وعظ کی فرمائش ہو۔ چنانچہ شام ہی کو وعظ کی فرمائش ہوئی۔ بیان ہوا، الحمد للہ بہت نفع ہوا، سب نے بہت دعائیں دیں۔ یہ ان کے قرآن و حدیث کے پڑھنے کی برکت تھی کہ ان کو نفع محسوس ہوا اور کہنا بھی دسوزی سے تھا، اس کا بھی اثر ہوتا ہے جب پڑھی لکھی اور دیندار بیبیوں تک میں تقاخر اس طرح رچا ہوا ہے تو دنیا داروں میں کیوں نہ ہو۔ اسی تقاخر سے عورتوں کو بار بار کپڑے بدلنا، گھنٹوں وقت اس میں صرف کرنا، زبور بہت وزنی لانا باوجود وفی نفسہ شاق ہونے کے ان کو آسان ہے۔ غرض ہر کام میں شینی اور تقاخر موجود ہے۔ عورتوں میں زیادہ اور مردوں میں بھی کافی درجہ میں۔ ان شادی بیاہ کی رسموں کو اور تقریبات کو دیکھ لیجئے کہ ہر قسم کا مینٹی تقاخر ہی پر ہے (۱) جہیز دیں گے بیٹی کو لیکن دکھائیں گے تمام برادری کو ایک جگہ نیوٹہ دیا گیا جس میں تین گنیاں تھیں اول گنیاں دیں لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ تین گنیوں کو کون دیکھے گا اس واسطے ان کے روپیہ بھنا کر سینی (۲) میں رکھ کر بھیجے گئے (۱) ہر قسم کی اصل فقر ہے (۲) پلیٹ۔

تا کہ اہل مجمع کی نظریں تو پڑیں۔ باجہ گاجہ اور جتنے سامان شادی بیاہ کے ہیں سب کی بناء اسی تفاخر اور نمود پر ہے اور یہ تفاخر گو مرد بھی کرتے ہیں مگر اصل جڑ اس میں عورتیں ہی ہیں۔ یہ اس فن کی امام ہیں اور ایسی مشتاق اور تجربہ کار ہیں کہ نہایت آسانی سے تعلیم دے سکتی ہیں جو آدمی جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو اس فن کے کلیات خوب منکشف ہوتے ہیں۔ یہ ایک کلیہ میں سب کچھ سکھا دیتی ہیں جب ان سے پوچھا جائے کہ شادی بیاہ میں کیا کیا کرنا ہے تو ایک ذرا سا کلیہ مشکلہ سا بتا دیتی ہیں کہ زیادہ نہیں اپنی شان کے موافق تو کر لو یہ کلیہ نہیں بلکہ کہہا ہے (۱) اور کہہا بھی ایسی ہے کہ ہاتھی بھی اس میں سا جاوے۔ یہ تو اتنا سا جملہ کہہ کے الگ ہو گئیں کرنے والوں نے جب اس کی شرح پوچھی تو وہ اتنی طویل ہوئی کہ ہزاروں جزئیات اس میں سے نکل آئیں جن سے دنیا کی بھی بربادی ہوئی اور آخرت کا بھی کوئی گناہ نہیں بچا یہ شیطان کا سا شیرہ ہے جس کا ایک قصہ ہے۔

شیطان کے شیرے کا قصہ

شیطان سے کسی نے کہا کہ میاں تم بڑے فساد کراتے ہو، کشت و خون کرا دیتے ہو، گھر کے گھر برباد کرا دیتے ہو۔ شیطان نے کہا کہ مجھے مفت میں بدنام کر رکھا ہے میں تو کچھ بھی نہیں کرتا، چلو میں تمہیں نمونہ دکھلا دوں۔ حلوائی کی دکان پر پہنچے، شیطان نے ایک انگلی بھر شیرہ دیوار پر لگا دیا اور اسی شیرہ پر کھیاں آ بیٹھیں۔ ان کھویوں پر ایک چھپکلی آ گئی۔ اتفاق سے دکاندار کی بلی آ گئی۔ وہ چھپکلی پر دوڑی۔ ایک خریدار سوار کے ساتھ کتا تھا۔ وہ بلی پر چھپٹا۔ حلوائی نے غصہ میں آ کر پتھر اس کتے کو مار دیا۔ اس کتے کے مالک یعنی سوار کو جوش آیا اس نے حلوائی کے ایک تلوار ماری۔ بازار والوں نے جمع ہو کر اس سوار کو قتل کر دیا۔ فوج میں خبر ہو گئی۔ انہوں نے بازار والوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ شیطان نے کہا دیکھا انصاف سے کہئے میرا کیا قصور، میں نے تو انگلی بھر شیرہ لگا دیا تھا اور شیرہ لگانا کوئی جرم نہیں اور اس قصہ میں تو اک انگلی ہی بھر شیرہ تھا جس کا طول یہاں تک کھنچا اور عورتوں کے قبضہ میں تو اس کی ایک بھری ہوئی مٹک ہے جب چاہا ذرا سا نکال دیا،

(۱) ایک ایسی ہڈیاں ہے جس میں ہاتھی بھی آ سکتا ہے۔

پھر اس کو مردوں نے بڑھالیا۔ دیکھئے انہوں نے تو ایک لفظ یہ کہہ دیا تھا کہ اپنی شان کے موافق کرلو، جس کو مردوں نے شرح کراکرا کے اتنا بڑھایا کہ ریاستوں کی ریاستیں غارت ہو گئیں۔ ہزاروں کبیرہ گناہ سرزد ہو گئے اور عورتوں کو ایک آسانی یہ بھی ہے کہ ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگتا کیونکہ فتویٰ لگانے والے مولوی ہیں اور عورتیں پردہ کی وجہ سے ان کے سامنے ہیں، ہاں کوئی مولون (۱) ہو تو روکے۔

عورتوں کو رسوم نہ کرنا آسان ہے

لہذا میں کہتا ہوں اور بیبیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کو چاہئے کہ مردوں کو روکیں۔ ان کا روکنا بہت زیادہ موثر ہے۔ ایک تو اس وجہ سے ایک اصل بانی ان قصوں کی لب و لہجہ موثر ہے بلاغت عورتوں پر ختم ہے، فصاحت تو نہیں ہے کیونکہ فصاحت کے لیے الفاظ کی عمدگی شرط ہے اس سے آج کل مستورات بوجہ بے علمی کے بے بہرہ ہیں۔ ہاں بلاغت بمعنی تاثیر عنوان (نہ کہ اصطلاحی) جو فصاحت پر موقوف ہے یہ پوری پوری ہے اس لیے ان کا کلام بے حد موثر ہوتا ہے۔ ان کا کہنا دل میں گھس جاتا ہے اس لیے اگر یہ چاہیں تو بہت جلد روک سکتی ہیں اور مردوں نے ان کاموں میں امام بنا بھی ان ہی کو رکھا ہے خود کچھ بھی نہیں کرتے۔ تمام کام تقریبات کے عورتوں سے پوچھ پوچھ کر کرتے ہیں۔ کانپور میں ایک بارات آئی تو لڑکی والے سے احباب نے پوچھا بارات کہاں ٹھرائیں۔ اس نے کہا اس میں تمہیں کیا دخل ہے۔ ننھی کی اما سے پوچھ لو اتنی سی بات کے لیے بھی ننھی چنی کی اما سے پوچھنے کی ضرورت تھی۔ غرض مردوں نے ایسی اپنی مہار عورتوں کے ہاتھ میں دی ہے کہ اتنی اتنی سی بات میں بھی ان کے خلاف نہیں چل سکتے، حالانکہ ان کو شریعت سے پوچھ کر کام کرنا چاہئے تھا بت کدہ سے نکل کر مسجد میں آنا چاہئے تھا مگر یہ تو پیرانی صاحبہ سے پوچھ رہے ہیں:

از مدرسہ کالجہ روم یا بہ میکدہ اے پیرہ بگو کہ طریق صواب وحیست
کبھی کسی مرد نے کسی مولوی سے جا کر نہ پوچھا کہ شادی میں فلاں فلاں کام کریں
یا نہ کریں یہ استفہقی عورتوں ہی سے ہوتے ہیں پھر جیسی وہ مفتی ہیں ویسے ہی فتوے

بھی ہوتے ہیں۔ مردوں کو تو یوں بے وقوف بناتی ہیں۔

مستورات کا شادی کی تقریبات میں پردے کو پس پشت ڈالنا

اور خود تقریبات میں ایسی منہمک ہوتی ہیں کہ پردہ بھی نہیں رہتا۔ بہشتی (۱) اور کیوں کے لیے تو رواج یہ ہے کہ بیبیاں نہیں اٹھتیں اور پردہ نہیں کرتیں وہ آنے والا پردہ کر لیتا ہے اس طرح کہ اپنے منہ پر ایک کپڑا ڈال لیتا ہے۔ یہ ترکیب اس معنی پر تو بڑی عقل کی بات ہے کہ پچاس شخصوں کو اٹھنا اور پردہ کرنا مشکل ہے بجائے اس کے ایک ہی کو کرنا پڑتا ہے مگر کوئی عقلمندان سے پوچھے کہ کیا وہ کپڑا ایسا ہوتا ہے جس میں کچھ نظر نہ آوے اور پردہ کے لیے کافی ہو جاوے، اگر وہ کپڑا ایسا ہے تو وہ منہ پر ڈال کر چلتا کیسے ہے، راستے کیسے دیکھتا ہے اور پانی ڈالنے کو گھڑونچی (۲) تک کیسے پہنچ جاتا ہے جبکہ بیچ میں پلنگ، پیڑھی اور تمام سامان پھیلا پڑا ہوتا ہے۔ یہ تو بہت ہی موٹی بات ہے جب وہ پلنگ، پیڑھی اور راستے کو دیکھتا ہے تو بیبیوں کو کیسے نہیں دیکھتا پھر جب اس کا دیکھنا گوارا ہے تو اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے کہ کپڑا منہ پر ڈالے بس زمانہ تقریب تک اس سے پردہ بالکل ہی کیوں نہ اٹھا دیا جائے یہ تو کمیوں کے ساتھ برتاؤ ہے اور ایرا غیرا مہمان وغیرہ سے بھی گو قصد پردہ کا ہوتا ہے مگر طوفان بے تمیزی میں پردہ وردہ کچھ نہیں رہتا کسی کا سامنا پڑا تو بڑا پردہ یہ ہے کہ کسی کی کمر کے پیچھے سر چھپا لیا۔ غرض اس حد سے زیادہ بے تمیزی ہوتی ہے۔

ظاہری اور باطنی مفاسد

میں نے ان تقریبات میں ظاہری مفاسد بھی دیکھے اور باطنی بھی۔ ظاہری تو یہ بے تمیزیاں اور باطنی تفاخر یا مع تصنع وغیرہ وغیرہ اور ان باطنی مفاسد میں سے تو شاید کوئی مستثنیٰ رہ جاتا ہو لہذا میں نے اپنے وطن میں حتی الامکان کل تقریبات کی رسوم اُڑادیں اور چونکہ بات صحیح اور عقل و نقل سب کے موافق ہے اس واسطے بحمد اللہ تعالیٰ کامیابی ہوئی ایک شخص نے مجھ سے بطور اشکال کے کہا کہ ہم خوشی میں ایک کافی رقم خرچ

(۱) ماٹکی اور ملازمین (۲) لکڑی کا وہ چوکٹا جس پر پانی کے گھڑے رکھتے ہیں۔

کرنا چاہتے ہیں اور جبکہ خدا نے مال دیا ہے تو کیوں نہ خرچ کریں۔ سوان طریقوں کو تو آپ منع کرتے ہیں۔ آخر کوئی طریقہ خرچ کا بھی تو بتائیے۔ میں نے کہا جناب یہ طریقے تو مجموعہ معاصی ہیں اور خلاف عقل بھی ہیں اگر آپ کو خرچ کرنا ہی مقصود ہے تو اس کا طریقہ عقل کے موافق یہ ہے کہ ایک فہرست بنائیے غرباء کی اور جتنی رقم آپ کو خرچ کرنی ہو ان کو بانٹ دیجئے اور دیکھئے کتنی شہرت بھی ہو جائے گی گو اس کی نیت نہ ہونا چاہئے اور نفع بھی کس قدر پہنچے گا اور موجودہ رسمیں اور طریقے تو ایسے لغو ہیں کہ جن سے نہ کسی کا فائدہ اور نہ شہرت، فائدہ نہ ہونے کا ثبوت تو یہ دیکھ لیجئے کہ ریاستوں کی ریاستیں ایک ایک تقریب میں غارت ہو گئیں اور شہرت کی حالت یہ ہے کہ آج کسی نے ہزار روپیہ تقریب میں لگائے کل دوسرے نے ایک ذرا سی بات اور ایجاد کر لی تو کہتے ہیں فلاں نے کیا کیا تھا۔ صاحبو! نفی شہرت کی یہ رائے بھی علی سبیل التزل (۱) تھی، رسوم کے خلاف عقل بتلانے کے لیے ورنہ خود شہرت ہی کیا چیز ہے۔ شہرت خود ایک مذموم (۲) چیز ہے اور یہ بھی منجملہ ان ہی مفاسد کے لیے جو تقریبات میں ہوتے ہیں پھر قطع نظر عدم جواز کے خود اپنی ذات میں تو سب کی سب ایسی ہیں۔

گہرے تعلق کی ضرورت

کسی کے دل میں دین ہو تو خود ہی ان سے وحشت ہونے لگے، خواہ جائز بھی ہوں لیکن اگر قلب کو تعلق دوسری طرف ہے تو شغل قلب ہونے کی وجہ سے دین دار کے قلب کو اس طرف ہرگز میلان نہ ہوگا یہ ایک بڑا فتویٰ قلب کا ہے جس کو گہرا تعلق دین سے ہوگا وہ بخوبی اس وحشت کو محسوس کر سکتا ہے اور اگر کسی کو ایسا تعلق نہ ہو تو اس کو یہ تعلق بڑھانا اور پیدا کرنا چاہئے۔ یہ کوئی عذر نہیں کہ ہم کو گہرا تعلق نہیں، کیا دین ایسی چیز ہے جس سے گہرا تعلق نہ ہو اور جس کے قلب کو دین سے تعلق ہوتا ہے وہ دنیا سے مرجھایا ہوتا ہے، پھر مرجھایا ہوا دل کہیں شہرت کو ڈھونڈے گا؟ دنیا کے کاموں میں تو اس کا قول یہ ہوگا

کار دنیا کسے تمام نکرد ہرچہ گیرد مختصر گیرد

اور وہ دنیا کے ہر کام میں اختصار ڈھونڈے گا جیسے آدمی پخانہ میں جاتا ہے کہ کام تو پورا

کرتا ہے اور بلا قضاء حاجت وہاں سے نہیں اٹھتا مگر ہر وقت اسی خیال میں رہتا ہے کہ کب فراغت ہو اور یہاں سے نکلوں اور کوئی ضرورت سے زیادہ وہاں بیٹھے تو یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ اس کو اس مکان سے یا مافی الکائن سے دلچسپی اور بے فکر اور بے حس ہے۔

دنیا کے کاموں میں اختصار کی ضرورت

اسی طرح ہم لوگ اگر دنیا کے کاروبار زیادہ پھیلائیں تو کیسے نہیں کہا جائے گا کہ یہ بے فکری اور بے حسی ہے جو آیت میں نے پڑھی ہے اس میں تعلیم اسی بات کی ہے کہ بے فکر مت رہو جب بے فکری نہ ہو تو ہر کام میں اختصار ہوگا۔

اختصار امیر اور غریب کا الگ الگ ہے

البتہ ہر شخص کا اختصار جدا جدا ہے۔ غریب آدمی کا اختصار اور ہے اور امیر کا اور، مگر یہ یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ ہر فرقہ سے جتنا سامان بڑھا رکھا ہے یہ حد سے تجاوز اور بے فکری کی دلیل ہے جو اس تعلیم کے خلاف ہے جو اس آیت میں ہے۔ غرض ہم کو فکر آخرت ضرور ہونی چاہئے اور اس فکر کے دواثر میں نے بیان کئے، تو ترک گناہ اور تقلیل مباح (۱) اور اصل مقصود بھی دونوں ہیں جس طرح بھی ہوں اور اس کا ذریعہ تذکرہ موت ہے لیکن وہ صرف ذریعہ ہے اگر کسی کو بدولت تذکرہ موت کے مقصود حاصل ہو جاوے تو اس کو تذکرہ موت کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو وسیلہ مقصود ہے خود مقصود نہیں۔

موت ہا ذم اللذات ہے

لیکن عام طور پر تجربہ سے ثابت ہے کہ ذکر موت سے زیادہ کوئی چیز اس فکر میں سہولت پیدا کرنے والی نہیں اسی واسطے حدیث میں فرمایا گیا ہے اکثر و اھاذم اللذات (۲) دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو ہا ذم اللذات فرمایا ہے۔ پس ہر لذت میں اس کو یاد رکھئے کہ ایک نہ ایک دن موت بھی آئے گی جو تمام لذات کا خاتمہ کر دے گی جس کو موت پیش نظر ہوگی وہ اگر حلوا اور گھی بھی کھائے گا تو اس کے منافع تو حاصل ہوں گے مگر زبان سے پٹخارے نہ لے گا اس کی تحصیل کے لیے یہ مراقبہ آیت

(۱) گناہ چھوڑنا اور جائز کاموں میں کمی (۲) ”لذات کو مٹانے والی کو کثرت سے یاد رکھو“ سنن الترمذی: ۲۳۰۷۔

میں تعلیم فرمایا گیا اور یہ ایسا مراقبہ ہے جس سے یہ دونوں مقصود یعنی ترک گناہ اور تسکین مباح بہت ہی سہولت سے حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ یہ ایسی چیز ہے کہ نماز اور عبادت کی اصلاح کے لیے بھی کافی ہے۔ اس کے منافع کی فہرست کی کچھ ضرورت نہیں، خود ذکر موت ہی سب کچھ سکھا دے گا۔ باقی فی نفس الامر ذکر موت ذریعہ ہے اور مقصود وہی ہے جو میں نے عرض کیا اور ذریعہ بالذات مقصود نہیں ہوتا اس میں تبدیلی بھی ممکن ہوتی ہے۔ اس لیے مقصود اس ذریعہ ہی پر منحصر نہیں جس ذریعہ سے حاصل ہو سکے اجازت ہے۔ لیکن چونکہ اس میں سہولت ہے اس واسطے یہ طریقہ تعلیم فرمایا گیا جیسے عراقی نے اس مصلحت کے لیے ایک طریق کی درخواست کی ہے۔

صنما رہ قلندر سزدر بمن نمائی کہ دراز و دور زینم رہ رسم وپارسائی (۱)
پارسائی طریق سلوک کو کہتے ہیں اور وہ قلندر جذب کو طریقہ جذب چونکہ اقرب طرق ہے اس واسطے اس کا سوال کرتے ہیں گو بالذات مقصود نہیں اسی طرح مقصود مذکور فی المقام کی تحصیل کے لیے ممکن ہے اور بھی طریقے ہوں لیکن مراقبہ مذکورہ سے زیادہ سہولت ہو جاتی ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ مقصود کے ساتھ اس کے ذرائع بھی بیان فرما دیتے ہیں اور ذرائع میں سے بھی جو اسہل اور زیادہ موصل الی المقصود (۲) ہو اس کی تعلیم فرماتے ہیں۔ تقریر بالا سے آیت میں اس مراقبہ کے مذکور ہونے پر متنبہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ وعظ

تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ ہم کو مراقبہ موت کی ضرورت ہے اور اس میں اس کا بہت آسان طریقہ بتلاتا ہوں جس سے آپ کے کسی کام میں بھی حرج نہ ہوگا۔ مراقبہ کے لیے آپ وہ وقت دیجئے جو آپ سے بے کار ہو اور وہ سونے کا وقت ہے۔ جب پلنگ پر لیٹئے تو پندرہ بیس منٹ اس مراقبہ کے لیے دیجئے کہ سوچئے یہ سونا مشابہ موت کے

(۱) ”اے محبوب مجھے تو قلندری کا راستہ پسند ہے رسم و رواج کی پابندی کا راستہ مجھے دور معلوم ہوتا ہے“

(۲) جو آسان اور مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

ہے مع تفصیل ان امور کے، جو موت کے وقت پیش آتے ہیں کہ اس طرح پیار ہو کر پلنگ پر پڑنا ہوگا۔ دنیا کے سب کام جیسے اس وقت ختم ہو گئے اس وقت بھی ختم ہو جائیں گے دینا لینا اور جو حقوق باقی رہ گئے ہیں سو کر ان سے پیچھا نہیں چھوٹا ایسے ہی موت سے بھی ان سے رہائی نہ ہوگی۔ نیز ان باتوں کو تفصیل وار یاد کیجئے جو موت کے بعد پیش آئیں گی جو خبر صحیح سے ثابت ہیں اور جو یقیناً پیش آنے والی ہیں۔ اس کو ذہن میں حاضر کیجئے کہ مرنے کے بعد تمام قویٰ معطل ہو جائیں گے ہمارا چلتا پھرتا جسم مٹی کا ڈھیر ہو جائے گا جس کو چار آدمی کندھوں پر لے چلیں گے، پھر ہم کو اپنے عزیز قریب اپنے ہاتھوں سے ایک تنگ وتاریک گڑھے میں ڈال آئیں گے اور مٹی دے کر تنہا چھوڑ آئیں گے، پھر منکر نکیر سے سابقہ پڑے گا۔ یہ کیسی سخت منزل ہے خدا جانے ان سے کیا معاملہ گزرے، پھر خاک میں مل جانا ہوگا اور قیامت تک اسی طرح رہنا ہوگا۔ پھر قیامت آئے گی اور ایک ایک بات پر جواب دہی کرنی ہوگی۔ میدان حشر میں گرمی کی یہ حالت ہوگی، میزان قائم ہوگی، پل صراط پر چلنا ہوگا۔ غرض ان تمام واقعات کو جو قیامت نامہ اور دیگر کتابوں میں مذکور ہیں ذہن میں حاضر کیجئے اور روزمرہ اس کا التزام کیجئے۔ ان شاء اللہ بہت جلد تنبہ ہوگا اور فکر پیدا ہو جائے گی۔ جب فکر ہو جائے گی تو دل خود بخود اس طرف چلے گا کہ ان احوال سے بچنے کی کوئی تدبیر ہونی چاہئے ان تدبیروں کے معلوم کرنے کے لیے علم دین کا شوق ہوگا اور ہمت ہوگی اور اعمال خود بخود ہونے لگیں گے۔



تذکرہ موت پر بزرگوں کے کلمات

اگر ہو سکے تو بزرگوں کے کلام سے تذکرہ موت پڑھا کیجئے۔ مثلاً اشعار ہیں:

کل ہوں اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
 خوب ملک روں ہے اور کیا زمین طوس ہے
 گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی
 اس طرف آواز طبل، ادھر صدائے کوس ہے
 صبح سے شام چلتا ہے مئے گلگوں کا دور
 شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے
 سنتے ہی عبرت یہ بولی ایک تماشا میں تجھے
 چل دکھاؤں تو تو قید آز کا مجبوس ہے
 لے گئی یک بارگی گور غریباں کی طرف
 جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس ہے
 مرقدیں دو، تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
 یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کہا کاؤس ہے
 پوچھ ان سے آج تو حشمت دنیا کا حال
 پاس ان کے کچھ غیر از حسرت و افسوس ہے



اخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ اشرف التحقیق - جامعة دار العلوم الاسلامیہ - لاہور

۱۔ گزشتہ ماہ حضرت قاری احمد میاں صاحب تھانوی دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ ہذا) دارالعلوم کراچی تشریف لے کر گئے جہاں شعبہ تجوید و قراءات کے طلباء کے امتحانات حسب ترتیب منعقد ہوئے۔ اور قاری صاحب نے ان امتحانات کی سرپرستی فرمائی۔

۲۔ گزشتہ ماہ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ ہذا) کی ایما پر جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ میں ایک علمی و فکری نشست کے انعقاد کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا جس میں علماء و طلباء نے قراءات، تفسیر، حدیث اور جدید علوم و فنون پر تحقیقی مقالات جمع کرائے اور ملک کی نامور شخصیات کو مدعو کیا گیا تھا جن میں قاری ابراہیم میر محمدی، مولانا یوسف خان صاحب، قاری مومن شاہ صاحب اور قاری نجم الصبح تھانوی صاحب اور کئی علمی شخصیات کو بطور مہمان خصوصی مدعو کیا تھا۔ مگر ملکی سیاسی حالات اور لاہور میں دفع 144 کے نفاذ کے پیش نظر پروگرام ملتوی کر دیا گیا تاہم بہت جلد ان شاء اللہ نئی ترتیب سے متعلقین کو آگاہ کر دیا جائے گا۔

۳۔ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ میں تعمیراتی کام الحمد للہ جاری ہے اور ایک مستقل شاخ قرآن کریم کی خدمات کے لئے مرکزی درس گاہ کے سامنے تعمیر کی جا رہی ہے جس کی دوسری منزل کے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ پہلی منزل پر بارہ کمرے تعمیر کئے گئے ہیں۔

۴۔ قدیم مدرسہ کی عمارت میں مزید پانچ بڑے ہال تعمیر کئے جا رہے ہیں جس کی تکمیل کے لئے احباب سے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

۵۔ گزشتہ ماہ جامعہ کے فترہ اولیٰ کے امتحانات منعقد ہوئے جن میں درسی کتب میں شریک ہونے والے طلباء کی تعداد تقریباً 870 اور درجہ حفظ کے امتحانات میں شریک ہونے والے طلباء کی تعداد تقریباً 216 اور ناظرہ قرآن کے طلباء کی تعداد 137 تھی۔ اس طرح امتحانات میں شرکت کرنے والے طلباء کی مجموعی تعداد الحمد للہ 1223 رہی۔